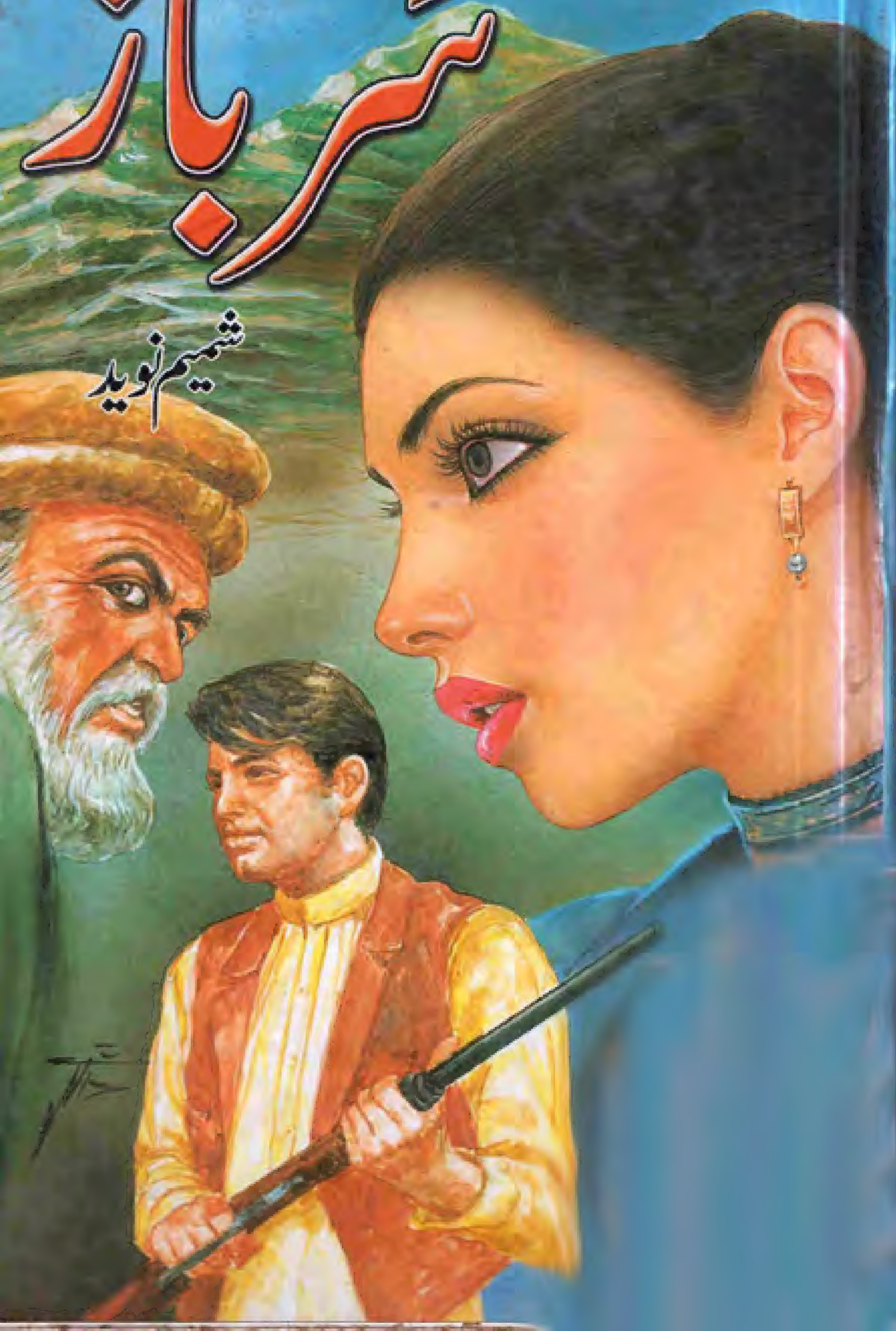


سرباز
شمیم نوید

پیش لفظ

یہ 1897ء کے متحدہ ہندوستان کا قصہ ہے جب شمال مغربی سرحدی صوبے میں آزادی اور خود داری کے متوالے جری پٹھانوں کی قبائلی زندگی میں ایک نیا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ فرنگی فریبیوں کے خلاف مزاحمت' جہاد کی شکل اختیار کرنے لگی اور پٹھان سرداروں نے انگریزوں کو سرحد سے نابود کردینے کی قسم کھائی تھی۔ سرحد کی پہاڑی وادیاں بندوقوں کی گرج سے گونج اٹھیں' ہرطرف گولیاں سنسنانے لگیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں نے زمین کا دل دہلا دیا اور اس طوفانی ماحول میں قبیلوں کی پرانی عداوت کی پروا نہ کرتے ہوئے دو دل ایک دوسرے کے نام پر دھڑک اٹھے۔

ہندو مصنف کے بقول یہ ناقابل فراموش سچی داستان اس دور سے تعلق رکھتی ہے جب ہندو مسلم کشاکش کی خلیج اس حد تک کشادہ نہیں ہوئی تھی جتنی دو قومی نظریے کی حقیقت واضح ہونے کے بعد ہوئی اور جس کے نتیجے میں مسلمانان ہند نے ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا۔ اس کا ہندو مصنف میجر بالا دوبے انگریز فوج میں ملازم تھا۔ لہٰذا تحریر میں انگریزوں اور ہندوؤں سے اس کی پاس داری کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

یہ ناول ہم نے ایک ماہنامے کے لئے قلمی نام سے لکھا تھا۔ اسے کتابی صورت میں پہلی مرتبہ ہمارے برادر عزیز عبدالغفار شائع کر رہے ہیں۔ یہ ناول آج بھی اتنا ہی زندہ و پائندہ ہے جتنا کبھی تھا۔ پڑھئے اور ہمارے حق میں دعائے خیر کیجئے۔

شمیم نوید

شمال مغربی سرحد پر جذبات کی ایک بھیانک آندھی اٹھی۔ پٹھانوں کے دل ڈونے ہوگئے تھے۔ ہر طرف بندوقوں کی نالیں دکھائی دیتیں۔ سب کے دل میں ایک ہی طوفان اٹھا تھا۔ سبھی ہم آواز تھے کہ دغاباز فرنگیوں کو پتھریلی زمین میں دفن کر دو۔ وزیرستان' سوات' تیراہ اور کالے پہاڑ کے قبیلوں کے سب سردار درگئی اور "سماناسکھ" کی اونچی دراڑوں کو پار کرکے چکرو کوتل کے پاس والے گاؤں میں اکٹھے ہوئے تھے۔ مہمند قبیلے کے سردار ہلال خان نے اپنی مہندی رنگی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "وطن کی پکار آپ سب نے سنی ہوگی۔ وطن قربانی مانگ رہا ہے۔ برادرو! قبیلوں کے آپسی جھگڑوں کو دفن کر دو۔ پٹھان ایک ہیں' بس یہی ایک بات دل میں بسالو۔ ان فرنگیوں کا غراتا اب اور نہیں سہا جاتا۔"

سبھی قبیلوں کے سردار موجود تھے' یوسف زئی' اتمان زئی' حسن زئی' میران زئی' کوہاٹ درے کے آفریدی' آقا خیل کے آفریدی' جقاخیل کے آفریدی' مہمند' شیرانی' زیباخیل کے اُرک زئی' بزوئی اُرک زئی' کابل خیل کے وزیر' درویش خیل کے وزیر' متانی' دزانی اور قدر زئی قزلباش۔ کالے پہاڑ کے چھوٹے موٹے قبیلے بھی ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر آئے تھے۔

آزادی کا طوفان آہستہ آہستہ رنگ بدل رہا تھا۔ پیلے رنگ کا آسمان کالا اور خونیں ہونے لگا تھا۔ بغاوت اب جہاد کی شکل اختیار کرنے لگی تھی۔ سب سرداروں نے اپنی اپنی بندوقوں پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی۔

ملا سید اکبر نے بلند آواز میں کہا۔ "ہم اپنے بزرگوار جنت نشین عبدالرحمٰن کی اولاد ہیں۔ ہم ان کے تینوں بیٹوں سربان' غرغت اور باطان کے گجرے کی پتیاں ہیں۔ سب سردار مل کر قسم کھاؤ کہ خاندانی جھگڑوں کو بھلا کر ہم اب فرنگیوں کو نہیں چھوڑیں گے۔"

اور وہ بھی ایک ہولناک عالم تھا جب سرداروں کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ انہوں نے اجتماعی قسم کھائی تھی۔ مہمند کے بڑے سردار نجم الدین کو لوگ آدھا ملا کہتے تھے۔ وہ بولے۔ "جون کے بعد حملے شروع ہوں گے۔ بولو' منظور ہے؟"

سب ایک ساتھ بولے۔ "منظور ہے۔"

رخصت کے وقت سب کو شربت پلایا گیا تھا پھر اپنے دل میں ایک بھیانک طوفان قید کیے سب چل دیے۔

پٹھان تنگ آ چکے تھے۔ حال ہی میں سر مارٹیمر ڈیورینڈ جو انگریزی سرکار کا سیکرٹری برائے امور خارجہ تھا' اس نے سرحدی لکیر کھینچی تھی' ڈیورنڈ لائن! سماٹا کی پہاڑیوں' ذور اور وانا پر انگریزی فوج نے قبضہ کر لیا تھا اور وہاں اپنی فوجی چوکیاں قائم کر لی تھیں۔ اب انہوں نے اس زخم پر اور نمک چھڑکا کہ کوہاٹ کے نمک پر ٹیکس لگا دیا۔ پٹھان تلملا اٹھے۔ ہر ایک کے ذہن میں یہی الفاظ گونجنے لگے۔ "سو بار غلامی سے بغاوت بہتر۔"

۴ جون کو میذر گاؤں میں پٹھانوں نے ایک ہندو کو سرعام قتل کر دیا تھا۔ جب اس کی رپورٹ پولیٹیکل افسر کو ملی تو وہ انگریزی فوجی دستہ لے کر میذر آیا تھا مگر اب سب پٹھان متحد ہو چکے تھے۔ انہوں نے انگریزی فوجی دستے پر حملہ کر دیا۔ پولیٹیکل افسر اپنے کچھ سپاہیوں کے ساتھ بھاگ کر دتہ خیل آ گیا لیکن انگریزی فوجی دستے کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

اس کے بعد چاروں طرف جہاد کی بسم اللہ ہو گئی۔ سوات میں سید اللہ خان نے اندا کئی گاؤں سے کچھ نوجوانوں کو ساتھ لیا۔ سید اللہ خان کو بھی ملا مستان کہا جاتا تھا۔ دیکھتے دیکھتے ملا مستان کی سرکردگی میں بارہ ہزار پٹھانوں نے مالاکنڈ اور آٹھ ہزار پٹھانوں نے چک درے پر حملہ کر دیا مگر انگریز غافل نہیں تھے۔ وہ اونچائی پر قلعہ بندی کیے بیٹھے تھے۔

ملا مستان کے تین ہزار پٹھان مارے گئے مگر ان کی آندھی نے انگریزوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

ادھر مہمند قبیلے کے بڑے سردار نجم الدین آدھا ملا نے اپنے قبیلے کے پانچ ہزار چنیدہ نوجوانوں کو ساتھ لے کر پشاور کی گھاٹی پر چڑھائی کر دی۔ ہندوؤں کے گاؤں شنکر گڑھ اور شب قادر کی چوٹی پر قبضہ کر لیا گیا۔ انگریزی فوج نے بہ مشکل مہمندوں کو وہاں سے ہٹایا۔

سب سے زبردست جہاد ملا سید اکبر کی زیر سرکردگی ہوا۔ ملا آقا خیل کے آفریدی

تھے۔ سبھی آفریدی قبیلے اور اُرک زئی قبائل' تیراہ کی جانب سے گھسے۔ ان کی تعداد لگ بھگ پندرہ ہزار تھی۔ انگریزوں کی "خیبر رائفلز" پلٹن نے خیبر درے کی چوکیاں سنبھال رکھی تھیں۔

آفریدی اور اُرک زئی قبیلوں نے سماٹا پر دھاوا بولا۔ انہوں نے درہ خیبر کی سبھی چوکیاں چھین لیں۔ شنواری پولیس چوکی جو کہ میران زئی علاقے میں تھی' وہ بھی ہتھیالی اور ہنگو کی طرف اپنا دباؤ بڑھانے لگے۔ فورٹ لوک ہارٹ اور فورٹ کو اگزی بھی لرز اٹھے۔

پٹھانوں کی خوف ناک آندھی نے انگریزوں کو متزلزل تو کر دیا مگر انہیں اکھاڑ نہ پائی۔ انگریزوں کا نقصان بھی بے حد ہوا اور بے عزتی بھی ہوئی لیکن وہ جلد ہی سنبھل گئے۔ پٹھانوں کے اس زبردست حملے کا جواب شروع ہوا۔ سات ہزار سپاہیوں پر مشتمل دو بریگیڈ دتہ خیل پہنچ گئے۔ مدا خیل کے پٹھانوں کو نرغے میں لے لیا گیا۔ ان کے سترہ "رنگ لیڈر" گرفتار کر لئے گئے اور جرمانہ بھی عائد کیا گیا۔ میذر گاؤں والوں پر بھاری جرمانہ لگایا گیا۔

سوات میں انگریز فوج' چاملا اور اتمان خیل کے علاقوں میں گھس گئی اور بھاری جرمانے وصول کیے۔ بنیر میں گھس کر کھدو خیل اور گدور کے یوسف زئی قبیلوں سے بھی تاوان وصول کیا گیا۔ ملا مستان کو ملک بدر کر کے دیر اور سوات سے باہر کر دیا گیا۔ یہ کام "مالاکنڈ فیلڈ فورس" نے انجام دیا۔ یہ فورس تین بریگیڈوں' ڈویژن کے ایک حصے اور دس ہزار گوروں پر مشتمل تھی۔

مہمند قبیلے پر دو بریگیڈوں نے حملہ کیا۔ عنایت قلعے کا صفایا کر دیا گیا اور آدھا ملا افغانستان سے بھاگ گیا۔ چھینے ہوئے ہتھیار واپس لئے گئے اور جرمانہ بھی وصول کیا گیا۔

سب سے بڑا انگریزی حملہ تیراہ پر ہوا۔ میران زئی کے راستے شنواری کے اوپر جنرل لوک ہارٹ دو ڈویژن فوج لے کر گیا۔ درگئی پر گھمسان کا رن پڑا۔ فوجیں میدان اور باڑہ میں گھس گئیں۔ پٹھان بڑی بہادری سے لڑے۔ اُرک زئی نے ہتھیار ڈال دیے مگر آفریدی سینہ تانے کھڑے رہے۔ دسمبر ۱۸۹۹ء ہی میں انگریز پھر سے خیبر کی چوکیاں لے پائے۔ یہ محاصرہ جنرل لوک ہارٹ نے تیس ہزار فوجیوں کو ساتھ لے کر کیا تھا۔ پھر وہ پُرملال دن بھی

آیا جب ملک دین خیل' آقا خیل' کمرائی خیل اور کئی سردار' سر ولیم لوک ہارٹ اور سر رچرڈ اُڈنی کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے انگریزوں کے آگے آٹھ سو چھینی ہوئی رائفلوں' ڈھیر سارے سامان اور پچاس ہزار روپوں کا انبار لگایا۔

جس شدت سے پٹھانوں کے جذبات کی آندھی اٹھی تھی' اس سے لوگوں کو امید ہونے لگی تھی کہ اب شاید غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں گی مگر افسوس کہ پٹھان بہادر اور محب وطن تو بلاشک تھے' جنگی چالوں سے نابلد تھے۔ طوفان کے بعد ایک عجیب خاموشی سرحد پر طاری ہو گئی۔ ماحول پر موت سے بھی گہرا سناٹا چھا گیا۔ دلوں میں بھڑکتی آگ اب فقط ایک دبی ہوئی چنگاری بن کر رہ گئی تھی۔ پٹھان ہار گئے تھے مگر انہوں نے شکست کو دل سے تسلیم نہیں کیا تھا۔ بغاوت کا جذبہ ناامیدی کی راکھ تلے دب گیا تھا مگر اس کی حدت ابھی تک قائم تھی۔

اس کے بعد سبھی قبیلے اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ گئے۔ ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے وہ اپنی پرانی بندوقوں کو دیکھتے اور کبھی کبھی ان کی آنکھوں میں آنسو بھی تیرنے لگتے۔ انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ چھپ چھپا کر لڑنا ہی ان کا شیوہ ہے۔ جم کر مورچہ بندی کرنا اور محاصرے جھیلنا ان کے بس کی بات نہیں۔ وہ لڑائی کی آنکھ مچولی تو خوب کھیل سکتے تھے لیکن میدانِ جنگ میں جم کر شطرنج کھیلنا نہیں جانتے تھے۔

اب کیا ہو؟ کیا دم سادھ لیں؟ وہ سوچتے۔ نہیں! اگر ہم دم سادھ لیں گے تو انگریز سمجھیں گے کہ پٹھان قوم کی ترکی تمام ہو گئی اور پھر وہ ان کے گاؤں اور قصبوں میں مداخلت کاری کریں گے۔ اس لئے اکا دکا لوٹ مار کرنا ضروری ہے۔ انگریزوں کو چین نہیں لینے دینا ہے ورنہ ان کے قبیلوں کا چین ہمیشہ کے لئے چھن جائے گا' جدوجہد جاری رہے گی۔ سبھی قبیلوں نے یہ طے کر لیا تھا۔ ہاں یہ بات الگ تھی کہ قبیلوں کی آپسی پرانی دشمنیاں اپنی جگہ پر قائم تھیں۔ دشمنی پٹھان کے لئے اپنے بزرگوں کی یاد اور ایک مقدس امانت ہے' وہ بھلا کیسے بھلائی جا سکتی ہے!

حال ہی کی اس آندھی کے بعد نئی دشمنی بھی پنپی۔ درگئی کی لڑائی کے بعد اُرک زئی قبیلوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے مگر یوسف زئی ہمت باندھے انگریزوں کے چھکے چھڑاتے رہے۔

اُرک زئی کے علاقے کی طرف یوسف زئی کے سردار نے تھوک کر کہا۔ "ہیجڑے کہیں کے!"

اُرک زئی کا سردار تلملا اٹھا۔ اس نے چیخ کر جواب دیا۔ "بہادری اور عقلمندی الگ الگ چیزیں ہیں گلاب خان! تم اونچائی پر بیٹھے تھے' ہم نیچے درے کے پاس تھے۔ پھر کہاں دو ہزار اُرک زئی اور کہاں تیس ہزار انگریز فوج! اگر ہم ہتھیار نہ ڈالتے تو قبیلے میں سوائے بیواؤں کے کوئی نہ بچتا۔"

یوسف زئی کے سردار گلاب خان نے پھر سے زمین پر تھوکا۔

اس بار سردار طُرے خان نے سردار گلاب خان کے پاؤں کے پاس گولی داغ دی' ٹھیک اسی جگہ جہاں تھوکا گیا تھا! اُرک زئی اور یوسف زئی قبیلوں میں دشمنی کا بیج اسی دن پھوٹ پڑا تھا۔ اب وہ دو دشمنوں کو مانتے تھے۔ یوسف زئی قبیلوں کے دشمن انگریز اور اُرک زئی تھے۔ اُرک زئی کے دشمن انگریز اور یوسف زئی تھے۔

☆=====☆======☆

دریائے کابل کا پانی کتنا ٹھنڈا تھا! کسی حسینہ کی کمر کی طرح بل کھا کر دریا جگہ جگہ موڑ کھا رہا تھا۔ قریب ہی لوئی ڈکا قصبہ تھا۔ گلاب خان اپنے یوسف زئی قبیلے کے ساتھ یہیں رہتا تھا۔ گلاب خان ایک سنگ دل سردار تھا۔ بہت کم لوگوں نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی تھی۔ پتھر کا دل رکھنے والا یہ گلاب خان بھی اپنی بیٹی مہ جبیں کے روبرو موم بن جاتا تھا۔ مہ جبیں قدرت کا ایک عطیہ تھی۔ دودھیا رنگ اور ترشا ہوا بدن تھا اس کا! اس کے چہرے سے شرارت اور کھلنڈرے پن کا اظہار ہوتا تھا۔ غزال جیسی آنکھیں اور یاقوت جیسے سرخ لب تھے اس کے! آس پاس کے قبیلوں میں جوان لڑکے اکثر آہ بھر کر کہتے۔ "لوئی ڈکا میں دو چاند جگمگاتے ہیں' ایک اوپر آسمان پر اور دوسرا چاند گلاب خان کے آنگن میں!"

مہمند قبیلے کا سردار بلال خان' طور خامہ میں رہتا تھا جو درہ خیبر کے اس طرف تھا۔ بلال خان کے بیٹے نور خان نے صباح کے ہاٹ میں مہ جبیں کو دیکھا تھا۔ اسی دن سے وہ مہ جبیں کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ نور خان ایک لمبا تڑنگا نوجوان تھا مگر اس کے چہرے پر ایک عجیب وحشیانہ سایہ چھایا ہوا تھا۔ وہ اکا دکا لوٹ مار اور خون خرابہ کرنے لگا تھا۔ اب وہ اکثر

لوئی ڈاکا کی طرف بھی اپنا گھوڑا موڑ دیتا تھا۔ وہ مہ جبیں کی صورت دیکھنے کے لئے بے چین رہنے لگا تھا۔

صباح کے پاس والے گاؤں جیتول میں اُرک زئی قبیلے کا سردار طُرے خان رہتا تھا۔ اس کا بڑا بیٹا شہباز خان ایک جاں باز اور بانکا نوجوان تھا۔ وہ جسمانی طور پر بے حد قوی بھی تھا۔ کسرت، گھڑ سواری اور ہتھیار چلانا، بس یہی اس کے مشاغل تھے۔ چہرے پر معصومیت اور ہنستی آنکھیں اس کی خوب صورتی اور وجاہت کو دوبالا کر دیتی تھیں۔ طُرے خان نے اپنے بیٹے کو بڑے جتنوں سے پالا تھا۔ جب بھی دونوں باپ بیٹا دستر خوان پر بیٹھتے تو طُرے خان کہتا۔ "بیٹے! ایک بہادر کو سب کچھ جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ ازار بند کا پکا ہو۔ کردار ہی انسان کا فخر ہے۔ کردار کے بغیر انسان ہیرے کے بجائے پتھر ہے۔ مجھ سے وعدہ کرو بیٹے کہ تم عورت کی عزت کرو گے، بھلے ہی وہ دشمن کے گھر کی عورت ہی کیوں نہ ہو!"

شہباز خان کے کردار کی بنیاد اس کے باپ طُرے خان نے رکھی تھی۔ وہ سارے قبیلے کی جان تھا۔

اس روز وہ اپنے گھوڑے کی لگام موڑ کر دریائے کابل کی جانب جانے لگا تھا۔ طُرے خان نے اسے روک کر کہا۔ "بیٹے! لوئی ڈاکا میں گلاب خان اپنے قبیلے کے ساتھ رہتا ہے۔ ہم سے اس کی چشمک ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا!"

شہباز خان نے سر جھکا کر اپنے باپ کی بات سنی اور پھر اس کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ صباح کے پاس وہ ہوا کی خنکی کا مزہ لیتا جا رہا تھا کہ اچانک اسے ایک نسوانی چیخ سنائی دی۔ شہباز ٹھٹکا اور گھوڑا موڑ کر اسی طرف چل دیا۔

انار کے پیڑوں کے جھنڈ میں اس نے ایک زخمی نوجوان کو تڑپتے ہوئے دیکھا۔ اس کے پیٹ سے خون بہہ رہا تھا۔ پھر شہباز کی نظر ایک بے رحم چہرے پر پڑی جو کسی پھول جیسی لڑکی کو جبراً اپنے گھوڑے پر بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

شہباز نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پاس آ کر للکارا۔ "ٹھہرو!"

بے رحم چہرے والا نوجوان پٹھان ایسا لگتا تھا جیسے لوہے کا بنا ہو۔ وہ نور خان تھا، [illegible] قبیلے کے سردار بادل خان کا بیٹا!

نور خان نے شہباز کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ "میرے راستے سے ہٹ جا اور مجھے اپنی عورت لے جانے دے ورنہ تیری ماں کی گود سونی ہو جائے گی۔"

جواب میں شہباز نے ہنس کر کہا۔ "یہ تمہاری غلط فہمی ہے خان! تم پٹھان ہو کر ایک لڑکی پر اپنی طاقت آزما رہے ہو! بولو، تم کس خوش نصیب قبیلے کا فخر ہو خان؟"

نور خان لہجے کا طنز محسوس کر کے تلملا اٹھا۔ وہ جھٹکے سے اترا اور تلوار نیام سے کھینچ کر بولا۔ "اپنے قبیلے کا نام میں اپنی تلوار سے تیرے سینے پر لکھوں گا۔"

چیتے جیسی پھرتی سے نور خان، شہباز پر ٹوٹ پڑا۔ مہ جبیں کی گرتی چھٹ گئی تھی۔ وہ خوف کے مارے کانپ رہی تھی۔ اس نے نور خان کی تلوار کا جوہر ابھی ابھی اپنے بھائی گلفام پر دیکھا تھا۔ نور خان نے گلفام کو دو منٹ میں ناکام کر دیا تھا۔ بھائی کو بے بس کر کے ہی نور خان اس کی بہن مہ جبیں کو اٹھائے لے جا رہا تھا۔

شہباز نے نور خان کے وار کو ناکام بنا دیا۔ بجلی کی طرح وہ ایک دوسرے پر ٹوٹتے رہے۔ سب سے پہلے نور خان ہی کی تلوار نے شہباز کے بائیں بازو پر چرکا لگایا تھا۔ خون دیکھ کر شہباز بھی آگ بگولا ہو گیا۔ جیسے چیل گوشت پر جھپٹتی ہے وہ نور خان پر ٹوٹ پڑا۔

پھر پہلے ہی وار میں نور خان کا کندھا خون سے تر ہو گیا۔ شہباز اس پر حاوی ہونے لگا اور دوسرے وار میں اس نے نور خان کی کلاہ اور پگڑی کاٹ گرائی۔ ایک بھرپور وار اس نے نور خان کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار پر کیا۔ نور خان کے ہاتھ سے تلوار جھنجھنا کر دس گز دور جا پڑی۔ نہتا نور خان ڈر کے مارے کانپنے لگا۔

"میں نہتے پر وار نہیں کرتا نور خان!" شہباز بولا۔ "اس لڑکی کے آگے گھٹنے ٹیک کر معافی مانگو! یقین رکھو، میں اپنے قبیلے کا نام اپنی تلوار سے تمہاری چھاتی پر نہیں لکھوں گا۔"

نور خان سہما ہوا شہباز کو دیکھتا رہا۔

شہباز ہنسا اور پھر اپنی تلوار زمین پر پھینکتے ہوئے کہا۔ "لو اب تو خوش ہو! اس لڑکی سے معافی مانگو!"

تلوار زمین پر گرتے ہی نور خان، شہباز کے اوپر جھپٹا مگر شہباز غافل نہیں تھا۔ اس نے نور خان کو لپیٹ کر کلاجنگ کا داؤ مارا۔ نور خان ایک بوری کی طرح دور جا پڑا۔ اسے آدھا منٹ اٹھنے میں لگا۔

”وقت ضائع مت کرو نور خان!“ شہباز سخت آواز میں بولا۔ ”تم نے اب دیر کی تو مجھے طیش آجائے گا۔“

نور خان آنکھیں پھاڑ کر شہباز کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ بھیگی بلی سا بنا ہوا آگے بڑھا اور مہ جبیں کے آگے گھٹنے ٹیک کر معافی مانگی۔

”ہاں اب ٹھیک ہے۔“ شہباز نے کہا۔ ”جاؤ اب دفع ہو جاؤ!“

نور خان آنکھوں سے خون برساتا ہوا اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور چل دیا۔

مہ جبیں کو شہباز کوئی فرشتہ محسوس ہوا۔ شہباز نے اس کی عزت پامال ہونے سے بچالی تھی اور اس کے لئے ڈھال بن گیا تھا۔

”ایک جوان ادھر گھائل پڑا ہے۔“ شہباز نے مہ جبیں کو بتایا۔

”وہ میرا بھائی ہے۔“ مہ جبیں جلدی سے بول اٹھی۔

”تو پھر چلو' دیر مت کرو۔“ شہباز بولا اور پھر مہ جبیں کو گھوڑے پر بٹھا کر اُدھر چل پڑا جہاں مہ جبیں کا بھائی گلفام زخمی پڑا تھا۔

مہ جبیں اپنے بھائی کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑی۔

شہباز نے اتر کر گلفام کی نبض دیکھی اور پھر کہا۔ ”گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چلو' اسے لے کر یہاں سے چل دیں۔ تم گھوڑا چلالیتی ہو؟“

مہ جبیں اپنی بڑی بڑی بادامی آنکھوں کو جھپک کر بولی۔ ”ہاں۔“

”تو تم اپنے بھائی کے گھوڑے پر چلو۔ میں تمہارے بھائی کو اپنے گھوڑے پر سنبھال کر چلتا ہوں۔“

پھر شہباز نے اپنی چھاگل سے گلفام کو پانی پلایا۔ اس کے بعد خون میں لت پت گلفام کو بڑی احتیاط سے شہباز نے اپنے گھوڑے پر بٹھایا۔

آگے آگے مہ جبیں کا گھوڑا چل رہا تھا۔ جب لوئی ڈاکا کی سرحد آئی تو شہباز نے پوچھا۔ ”تمہارا قبیلہ کدھر ہے بانو؟“

”ادھر ہے لوئی ڈاکا میں۔“ مہ جبیں نے جواب دیا۔

شہباز چونک اٹھا۔ اس نے سوچا' لوئی ڈاکا والے تو ہمارے دشمن رہتے ہیں۔ یہی تو میرے والد نے کہا تھا۔ مگر نہ جانے کیا سوچ کر وہ پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ لوئی ڈاکا میں گھستے ہی

سب نے مہ جبیں اور پیچھے گھوڑے پر گھائل گلفام کو شہباز کے ساتھ دیکھا اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

جب مہ جبیں اپنے گھر پہنچی تو اس کا باپ گلاب خان تین چار آدمیوں کے ساتھ بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ بیٹی اور زخمی بیٹے کو دیکھ کر وہ سکتے میں آگیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا' مہ جبیں بول اٹھی۔ ”یہ ہمارے مہمان ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک درندے سے بچایا اور گلفام بھائی کو بھی بچا کر ہماری دہلیز پر آئے ہیں۔“

گلاب خان اور اس کے ساتھیوں نے گلفام کو گھوڑے پر سے اتارا۔ پھر سب مل کر اس کے خون میں لت پت کپڑوں کو اتارنے لگے تاکہ معلوم ہو کہ زخم کہاں آیا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے! آناً فاناً حکیم سید آل امام کو بھی بلا لیا گیا۔ گھاؤ گہرا نہیں تھا پھر بھی گھاؤ تو گھاؤ ہی ہوتا ہے۔

شہباز کو گلاب خان نے گلے سے لگالیا اور کہا۔ ”میں تمہارا احسان مند ہوں بیٹے' کیا نام ہے تمہارا؟“

”پٹھان کا بیٹا ہوں آقا! آپ احسان ماننے کے بجائے مجھے دعا دیجئے۔“ شہباز مسکرا کر بولا۔

گلاب خان جواب سن کر خوش ہو گیا۔

مہ جبیں اندر سے انار کا شربت لے کر آئی تھی۔ اس نے اپنی بڑی بڑی حسین آنکھوں سے شہباز کو دیکھا۔ شہباز کو دیکھ کر اس کے دل کے تار یکبارگی جھنجھنا اٹھے۔ اس کی آنکھوں میں وہ منظر گھوم گیا جب شہباز' نور خان کے مقابل بجلی کی طرح کوند رہا تھا۔ شہباز نے بھی اب ٹھیک طرح سے مہ جبیں کی ایک جھلک دیکھی۔ مہ جبیں کے حسن کی پرچھائیں شہباز کی آنکھوں سے اس کے دل میں اتر گئی۔ شربت پی کر شہباز رخصت ہونے لگا۔

”اپنا نام بتا کر نہیں جاؤ گے بیٹے؟“ سردار گلاب خان نے شہباز کو مخاطب کیا۔

شہباز اس وقت تک اپنے گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔ جواب میں وہ بولا۔ ”مجھے شہباز خان کہتے ہیں میرے آقا!“ پھر شہباز نے مہ جبیں کو آنکھ کے اشارے اور سر کی خفیف سی جنبش سے سلام کیا۔ مہ جبیں نے اسے ایک پل دیکھا اور اس کے حسین

رخساروں پر گلابوں کی سرخی مزید بڑھ گئی۔ اس کی حیا نے جیسے شہباز کا سلام قبول کر لیا تھا۔

گلفام کی حالت خطرے سے باہر تھی۔ قبیلے کے کافی افراد اکٹھے ہو گئے تھے۔

"شیر کا بچہ تھا خان!" کسی نے شہباز کی تعریف میں کہا۔

پھر مہ جبیں نے نور خان کی گلفام سے لڑائی کا ماجرا بیان کیا۔ اس کے ساتھ شہباز کی بہادری کے جوہر بھی بتائے۔ شہباز اپنے اس عمل سے سارے قبیلے کی ہمدردی لوٹ لے گیا تھا۔ اس نے مہ جبیں کا قرار بھی لوٹ لیا تھا مگر شہباز لوئی ڈکا سے خود بھی تو لٹ کر نکلا تھا۔ اس واقعے کا اثر گلاب خان کے دل پر بھی گہرا ہوا تھا۔

"کتنا شرمیلا نوجوان تھا' نام بھی بڑی مشکل سے بتا کر گیا ہے۔" گلاب خان بولا تبھی کالے خان آگے بڑھ کر کہنے لگا۔ "میں بتاتا ہوں سردار کہ وہ کون تھا۔ وہ ازرک زئی قبیلے کے سردار طُرے خان کا بیٹا ہے۔"

گلاب خان کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ اس نے طویل سانس لے کر دل ہی دل میں کہا' سنا گلاب خان! وہ نوجوان' تمہارے دشمن طُرے خان کا شیر جیسا بیٹا تھا' تمہاری بیٹی کی آبرو بچانے والا' تمہارے بیٹے گلفام کی جان بچانے والا! تمہارے دشمن کا ہونہار بیٹا!

☆=====☆======☆

پشاور چھاؤنی کے ایک سرے پر چیف کمشنر لیفٹیننٹ کرنل سر ایچ اے ڈیرن کا دفتر تھا۔ صبح سے وہاں کافی ہلچل تھی۔ انگریز افسر آج چمکیلی اور صاف ستھری وردیاں پہن کر آئے تھے۔ ساتھ ہی رسالدار دارا خان بھی لال اور نیلی وردی پہن کر آیا تھا۔ رسالدار دارا خان کی انگریز چیف کمشنر کے ہاں پیشی تھی۔ دارا خان برآمدے کے سرے پر کھڑا تھا۔ چیف کمشنر کے دفتر میں میجر سلیٹر' رسالدار کو کاغذات کے متعلق سمجھا رہا تھا۔ میجر سلیٹر خود رزمق سے آیا تھا۔ دارا خان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر اس مسکراہٹ کے پیچھے بے پناہ کرب چھپا ہوا تھا۔

دارا خان ایک خیر خواہ پٹھان تھا۔ اس کا باپ موسیٰ خان بھی ایک نیک اور سیدھا سادہ پٹھان تھا۔ یہ بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ جب گائیڈ رسالے نے میجر رچرڈ کی زیر

سرکردگی مرگھا قبیلے پر حملہ کیا تھا۔ میجر رچرڈ ایک بہادر آدمی تھا۔ شاید وہ پہلا انگریز افسر تھا جس نے قبیلے کے حلقے میں گھس کر رزمق پر وار کیا تھا۔ بڑی ہولناک لڑائی تھی۔

اپنے ڈیرے پر پٹھان مہمان نوازی کرتے ہیں مگر اس دن انہوں نے اپنے مہمانوں کی تلوار سے خاطرداری کی تھی کیونکہ یہ بن بلائے مہمان تھے اور انہوں نے حملہ کیا تھا۔ برابر کی چوٹ ہوئی۔ قبیلے کا سردار مارا گیا مگر میجر رچرڈ بھی بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے گھڑ سوار بھی زیادہ تر مارے گئے۔ رچرڈ اپنے گھوڑے پر اوندھا پڑا مردان چھاؤنی کی سمت جا رہا تھا۔ اس کا گلا خشک ہو گیا تھا اور زبان چمڑے کے ایک ٹکڑے کی طرح ہو گئی تھی۔ بار بار وہ کسی انجانے مددگار سے پانی مانگ رہا تھا۔ موسیٰ خان اسی دم ادھر سے اپنی پانی سے بھری ہوئی مشک لے کر گزرا۔ کراہنے کی آواز سن کر وہ چونکا۔ چٹان کی اوٹ میں خون سے سنی وردی میں ایک انگریز افسر کو دیکھ کر وہ ایک بار تو گھبرا گیا۔ پھر نہ جانے اس میں کہاں سے ہمت آ گئی۔ اس نے میجر رچرڈ کو اپنی مشک سے ٹھنڈا پانی پلایا۔ رچرڈ کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے کوئی اسے آب حیات پلا رہا ہو۔ اس کی ٹوٹی ہوئی امید پھر سے جڑ گئی۔

"آپ گھبرایئے نہیں صاحب!" موسیٰ خان بولا۔ "ہم آپ کو چھاؤنی لے چلتے ہیں۔ انشاء اللہ آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

رچرڈ آہستہ سے ہنسا۔ "تم مجھے دلاسا دے کر تسکین دھوکا دے سکتے ہو دوست! مگر موت کسی کے چکمے میں نہیں آتی۔ لے چلو مجھے چھاؤنی مگر مجھے اٹھانے سے پہلے دیکھو کہ میری جیب میں کیا کاغذ اور قلم ہے؟"

موسیٰ خان نے اس کی جیب ٹٹولی اور ایک کاغذ مل گیا۔ وہ شاید کوئی سرکاری خط تھا۔ قلم بھی تھا مگر اس کی سیاہی سوکھ چکی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔" رچرڈ بولا۔ "میں قلم کو اپنے خون سے ڈبو ڈبو کر لکھ لوں گا۔"

رچرڈ نے کاغذ کی پشت پر اپنے خون سے لکھا تھا۔ "اس پٹھان نے مجھے مرتے دم پانی پلایا اور مجھے دلاسا بھی دیا۔ مرتے دم اس کے بول مجھے ایسے لگے جیسے عیسیٰ مسیح مجھے پکار کر بلا رہے ہوں' مجھے پیار کر رہے ہوں۔ جو بھی اس خط کو پائے' میری خاطر اس پٹھان پر احسان کرے۔ میجر پیٹر رچرڈ' فرنیٹر لانسرز۔"

رچرڈ نے وہ کاغذ موسیٰ کو دیا اور بولا۔ "اب مجھے چھاؤنی لے چلو۔ کاش میں وہاں تک پہنچ سکوں۔"

موسیٰ خان نے مشک کاندھے پر ڈال کر رچرڈ کو اٹھایا اور چل دیا۔

مردان کی چھاؤنی نظر آنے لگی تو موسیٰ خان خوشی سے چلایا۔ "چھاؤنی آ گئی صاحب! گھبرانا مت!"

رچرڈ اس وقت آخری دعا پڑھ رہا تھا۔ اسے صلیب پر لٹکے عیسیٰ مسیح مسکرا کر اپنی پھیلی ہوئی بانہوں میں لے رہے تھے۔

موسیٰ خان نے جب رچرڈ کو اپنی پشت سے چھاؤنی کے دفتر میں اتارا تو وہ رچرڈ نہیں' اس کی لاش تھی۔ موسیٰ خان کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ "الحمد للہ! بہادر میدان میں گر کر اللہ کو پیارے ہوتے ہیں۔"

رچرڈ نے جو خط لکھ کر دیا تھا' اس نے موسیٰ خان کی تقدیر ہی بدل دی۔ اسے دس بیگھے موروثی زمین اور میس میں بہشتی کی نوکری دی گئی۔ پھر موسیٰ خان کے بیٹے دارا خان کو انگریزوں نے سکول بھجوایا۔ جب دارا خان جوان ہو گیا تو اسے رسالے میں سوار بنایا گیا۔

دارا خان کا خاندان مرکھا ہی میں رہا۔ اس کا بیٹا قاسم شروع ہی سے شریر تھا۔ دارا خان نے ہرچند کوشش کی کہ وہ اپنی بیوی سکینہ کو مردان لے آئے مگر اس کا سسر ترکی خان پکا سرحدی پٹھان تھا' وہ بیٹی کو مردان بھیجنے پر آمادہ نہ ہوا۔ قاسم اپنے نانا ہی کے گھر پلا۔ جیسا کہ دارا خان کو اندیشہ تھا' قاسم انگریزوں کا دشمن بن گیا۔ باپ تو انگریزوں کا خیر خواہ اور وفادار تھا مگر بیٹا انگریزوں کا دشمن تھا۔ قسمت بھی کیسے کیسے عجب کھیل کھلاتی ہے!

کئی بار دارا خان نے قاسم کو سمجھایا بھی مگر وہ کب سننے والا تھا۔ اس دن قاسم خان کے گروہ نے رزمق کی چھوٹی سی ایک چوکی پر حملہ کر کے تین رائفلیں اپنے قبضے میں کر لی تھیں۔ تب رزمق کی رجمنٹ پلٹن میں ایک جوش پیدا ہو گیا تھا۔ دل میں مصمم ارادہ کیے کیپٹن ہیرالڈ اور رسالدار دارا خان اپنے سوار ہمراہ لئے چل دیئے تھے۔ وزیرستان کے علاقے کو پار کر کے وہ چپے جا رہے تھے۔ انہیں سرحد کے قریب ہی حملہ کرنا تھا۔ بندو خان

مخبر نے خبر دی تھی کہ درویش خیل کے جوانوں نے بندوقیں لوٹی ہیں۔ کیپٹن ہیرالڈ نے اپنے سواروں کو دو ٹکڑیوں میں بانٹا۔ پہلی ٹکڑی کو وہ خود اپنے ساتھ لے کر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ دوسری ٹکڑی "ریزرو" رکھی گئی تھی جس کا نگران رسالدار دارا خان تھا۔

بہت گھمسان کا رن پڑا تھا۔ مجاہدین کے پاؤں گھنٹے بھر کے بعد اکھڑ گئے تھے۔ اسی وقت قاسم خان اپنے دستے کو لے کر کیپٹن ہیرالڈ کے عقب سے حملہ کرنے آ پہنچا۔ رسالدار دارا خان نے گرد اٹھتی دیکھی تو اندازہ لگا لیا تھا کہ باہر سے پٹھانوں کو کسی کی کمک آ پہنچی ہے۔ وہ اپنے سواروں کو آگے بڑھا کر درمیان میں آ گیا اور آنے والوں کو للکارا۔ مجاہدوں کی اس حملہ آور ٹکڑی کا سردار خود اس کا بیٹا قاسم خان تھا۔

یہ دیکھ کر رسالدار دارا خان حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے خود پر قابو پا کر گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے کہا۔ "قاسم! واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں واپسی کے لئے پندرہ منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔"

قاسم بھی ایک جاں باز جوان تھا۔ وہ ہر قیمت پر اپنے دوست اکرم خان کو مدد پہنچانا چاہتا تھا جو کیپٹن ہیرالڈ کے مقابلے میں پسپا ہونے کے قریب تھا۔ اکرم خان کے سوار گھر چکے تھے اور ان کے پاؤں اکھڑنے لگے تھے۔ قاسم یاروں کا یار تھا اور اکرم اس کا جگری دوست تھا۔

قاسم خان اپنی بندوق بلند کر کے اپنے باپ کی بات کے جواب میں چلایا۔ "بابا! میرے کام میں دخل نہ دو! یہ مت بھولو کہ تم ان فرنگیوں کے ساتھ ہمارے علاقے میں گھس آئے ہو!"

دارا خان تذبذب میں پڑ گیا۔ اس کے ماتحت سوار سب کچھ دیکھ اور سن رہے تھے۔ اس نے نرمی اور عاجزی سے کہا۔ "قاسم! میرا کہا مانو' واپس چلے جاؤ! مجھے اپنا نمک حلال کرنے دو! تم میرا خون ہو بیٹے' میرا کہنا مان لو۔"

"بابا!" قاسم ہنس کر بولا۔ "آج یہی تو دیکھنا ہے کہ پٹھان' خون کو نمک پر ترجیح دیتا ہے یا نہیں! میرے راستے سے ہٹ جاؤ بابا!"

دارا خان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "اے اللہ! تو میرا امتحان لے رہا ہے شاید! میرے نزدیک نمک حرامی سے یہ بہتر ہے کہ میں اپنے

جگر کا خون کر دوں۔" یہ کہتے ہی رسالدار دارا خان نے تلوار سونت کر زور سے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "چارج!" پھر اس کا رسالہ قاسم پر ٹوٹ پڑا۔

خوب جم کر لڑائی ہوئی۔ بیٹا اور باپ ایک دوسرے کے مقابل تھے مگر اب وہ باپ بیٹا نہیں' ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ رسالدار دارا خان لڑتے وقت ہر رشتے کو بھول گیا۔ ایک مرحلے پر اس کی "مارٹینی ہنری" رائفل اٹھی اور قاسم کے سینے کا نشانہ لے کر آگ اگلنے لگی۔ رسالدار کی آنکھوں کے سامنے قاسم تڑپ کر اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ قاسم کے گرتے ہی مجاہد تتر بتر ہونے لگے۔ رسالدار دارا خان' قاسم کے قریب گیا اور دم توڑتے ہوئے بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"بابا!" قاسم نحیف سی آواز میں بولا۔ "مجھے خوشی ہے کہ میں ایک نمک حرام باپ کا بیٹا نہیں ہوں۔ تو نے اپنے نمک کی لاج رکھی ہے بابا! میں فخر سے مر رہا ہوں کہ خون کے تقاضے نے تجھے بزدل نہیں بنایا۔ اچھا خدا حافظ بابا!" یہ کہنے کے کچھ ہی دیر کے بعد قاسم ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ رسالدار دارا خان نے اپنے جیب سے مشہدی رومال نکالا اور اس سے قاسم کا چہرہ ڈھانک دیا۔

"اناللہ و انا الیہ راجعون۔" دارا خان بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور پھر جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ذرا ہی دیر بعد وہ اپنے دستے کو لے کر کیپٹن ہیراللہ سے جا ملا۔

جب کیپٹن کو یہ واقعہ دفعدار محمد خان نے بتایا تو وہ ششدر رہ گیا۔ اس بیان کی تصدیق کے لئے وہ خود رسالدار دارا خان کے پاس آیا۔

رسالدار نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کے جواب دیا۔ "ہاں صاحب! قاسم میرا بیٹا تھا مگر میدان جنگ میں صرف دو ہی رشتے ہوتے ہیں' یا تو دوست یا پھر دشمن! اس کی طرف میں نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا مگر آخر وہ بھی پٹھان کا بیٹا تھا۔ اسے بھی مجھ میں دشمن ہی نظر آیا۔"

پورے رزمق میں یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

پھر کرنل پین نے ایک خط چیف کمشنر کو لکھا۔ اسی کے نتیجے میں آج رسالدار دارا خان پیشی کے لئے برآمدے میں "سریمونیل ڈریس" میں کھڑا انتظار کر رہا تھا۔

کوئی دس منٹ کے بعد اسے چیف کمشنر کے روبرو پیش کیا گیا۔ چیف کمشنر اپنی

کرسی سے اٹھ کر خود اس کے پاس آیا اور ہاتھ ملا کر بولا۔ "ویل رسالدار صاحب! ہم نے سنا ہی تھا کہ پٹھان بہادر قوم ہے۔ تمہاری بہادری اعلیٰ پائے کی ہے صاحب! جذبات کے اوپر غالب آنا بہت بڑی بات ہے صاحب' بہت بڑی بات ہے!"

رسالدار دارا خان نے اپنے آنسوؤں کو اپنی آنکھوں میں قید کر رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر آسودگی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

چیف کمشنر نے اس کی پیٹھ تھپکی۔ "آج سے آپ خان بہادر رسالدار میجر دارا خان صاحب ہیں! میں نے او' بی' سی کے خطاب اور میڈل کے لئے کمانڈر انچیف کو لکھا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو دس ایکڑ زمین پشاور کے ضلع میں دی جاتی ہے۔" یہ سن کر رسالدار دارا خان کو نہ خوشی ہوئی نہ رنج۔ بات مکمل ہونے پر چیف کمشنر نے مزید کہا۔ "آپ کی کوئی اور خواہش ہے صاحب؟"

رسالدار دارا خان اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر بولا۔ حضور! اب میں آپ کو آپ ہی کی دی ہوئی تلوار واپس کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اب مجھ سے تلوار نہیں اٹھ سکے گی۔"

یہ سن کر چیف کمشنر کسی بت کی طرح کھڑا رہ گیا۔ چند لمحے بعد وہ آخر بولا۔ "ٹھیک ہے صاحب! ہم آپ کا نام پنشن یافتہ بہادروں میں لکھوائے دیتے ہیں۔ اپنی دی ہوئی تلوار ہم صرف غداروں سے قبول کرتے ہیں۔ آپ تو ہماری سلطنت اور نظام کے ستون ہیں۔ آپ اس تلوار کو ہماری طرف سے ایک یادگار کے طور پر قبول فرمایئے۔" پھر چیف کمشنر نے رسالدار دارا خان سے گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا۔

دارا خان آخری سلام کر کے باہر آ گیا۔

☆=====☆======☆

شہباز' لوئی ڈکا سے واپس تو آ گیا مگر اپنا دل شاید سردار گلاب خان کے ڈیرے ہی پر چھوڑ آیا تھا۔ راستے بھر اسے مہ جبیں کی بادامی آنکھیں نظر آتی رہیں۔ شہباز مسکرایا اور پھر بڑبڑانے لگا۔ "تو نے بھی کیا قسمت پائی ہے شہباز! آنکھوں میں کوئی بسا تو وہ بھی دشمن کی لڑکی!"

پیستول آ کر شہباز خان کی خون سے رنگی بانہہ سب سے پہلے اس کی ماں نے دیکھی اور پوچھا۔ "یہ خون کیسے بہا بیٹے؟"

"کچھ نہیں ماں!" شہباز بولا۔ "معمولی سی ایک جھڑپ ہو گئی تھی۔ گہری خراش ہے اور کچھ نہیں۔"

ماں نے زیادہ پوچھ گچھ نہیں کی۔ وہ پانی گرم کر کے لائی اور زخم کو دھو کر مرہم لگا دیا۔ لوئی ڈکا میں شہباز نے خود اس معمولی سی چوٹ کا ذکر نہیں کیا تھا ورنہ وہاں بھی مرہم پٹی ہو جاتی۔

شام کو دستر خوان پر سردار طُرے خان جب بیٹھا تو شہباز نے سر جھکا کر اسے بتا دیا۔

"بابا جان! آج میں یوسف زئی کے سردار گلاب خان کے در تک گیا تھا۔"

"مجھے معلوم ہے بیٹے!" طُرے خان نے کہا۔ "مجھے سب خبر مل چکی ہے۔ میں خوش ہوں کہ تم نے ایک ثواب کا کام کیا۔ گلاب خان کی بیٹی کی تم نے آبرو بچائی' یہ اچھا کیا۔"

شہباز چپ چاپ کھانا کھاتا رہا۔

طُرے خان ذرا توقف سے پھر بولا۔ "جس ذلیل نوجوان کو تُو نے شکست دی' اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ مہمند قبیلے کے ہلال خان کا بیٹا نور خان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تیرے سینے پر تو وہ زخم بھی نہیں لگا سکتا مگر پیٹھ کا بچاؤ رکھنا! بہادر سینہ بچاتا ہے اور بزدل دشمن ہمیشہ پیٹھ ہی پر وار کرتا ہے۔"

جواب میں شہباز کچھ نہ بولا۔ کھانے کے بعد چوپال میں حقہ تازہ کیا گیا۔ سردار طُرے خان اور دیگر احباب وہاں بیٹھے تھے۔

"سردار! عبدل پشاور سے خبر لایا ہے۔" ایک پٹھان بولا۔

"کیا خبر ہے؟" طُرے خان نے دریافت کیا۔

"رسالدار دارا خان نے مورچا لیتے وقت اپنے بیٹے کو مار ڈالا۔" اسی پٹھان نے بتایا۔

اس پر چوپال میں سناٹا چھا گیا۔

"رسالدار دارا خان' فرنگیوں کی نوکری کرتا ہے سردار!" پٹھان نے مزید کہا۔ "مگر اس کا بیٹا آزادی پسند تھا۔"

سردار طُرے خان حقے کا کش لے کر بولا۔ "دونوں نے اپنا اپنا فرض ادا کیا خان!

باپ نے نمک کی لاج رکھی تو بیٹے نے بہادری کی! ہم اسے بہادری اور جاں نثاری کی ایک مثال تسلیم کرتے ہیں۔"

گلا کھنکھار کر پٹھان بولا۔ "سردار! رسالدار دارا خان کو دس ایکڑ زمین' خان بہادر کا خطاب' او' بی' سی کا تمغا اور پنشن بھی دی گئی۔"

"ٹھیک ہے۔" سردار طُرے خان نے کہا۔ "نمک کی قیمت آقا کو دینا ہی چاہیے۔ اب کیا دارا خان پشاور ہی میں رہنے لگا ہے؟"

اسی وقت کونے میں بیٹھا ہوا بلے خان بولا۔ "جی نہیں سردار! آگے کی خبریں سناتا ہوں۔ جس جگہ دارا خان کا بیٹا قاسم گرا تھا' وہاں ایک مزار دارا خان نے بنوایا ہے۔ مزار پر اپنے میڈل اور تلوار رکھ کر دارا خان نے انگریزوں کی دی ہوئی زمین یتیم خانے کو بخش دی اور خود فقیرانہ لباس پہننے لگا ہے۔"

کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے سردار طُرے خان نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر کہا۔ "جب تک ہمارے وطن میں ایسے رستم و سہراب پیدا ہوتے رہیں گے تب تک ہماری گردن کبھی بھی نہیں جھک سکے گی۔ ہمارے سر اسی طرح انشاء اللہ تعالیٰ بلند رہیں گے۔"

ماحول کافی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ چوپال پر آئے ہوئے پٹھانوں نے گفتگو کا رخ بدل دیا۔ ان میں سے ایک بولا۔ "سردار! فرنگیوں کی نئی رائفل ہلکی ہونے کے علاوہ مار بھی اچھی کرتی ہے اور گرم بھی دیر سے ہوتی ہے۔"

سردار طُرے خان نے حقے کا ایک کش لے کر کہا۔ "جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔ کوئی رائفل لا کر دکھائے تو کوئی رائے بھی دی جائے۔"

لوگ اشارہ پا گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون مائی کا لال باندھے گا؟ سب پر ایک سکوت طاری ہو گیا۔

تب شہباز سہمے ہوئے انداز میں بولا۔ "بابا اگر اجازت ہو تو میں کوشش کروں؟"

یہ سن کر طُرے خان خوش ہو گیا مگر اپنی خوشی چھپاتے ہوئے کہا۔ "شہباز بیٹے! تمہاری کشتی میں نے دیکھی ہے۔ تلوار کے ہاتھ بھی دیکھے ہیں۔ تم گھڑ سوار بھی اچھے ہو مگر ابھی تک میں نے تمہارا رائفل کا نشانہ نہیں دیکھا ہے۔ سرحد پر کارنامے انجام دینا اور بات ہے بیٹے لیکن فرنگیوں کے خلاف بندوق چلانا الگ بات ہے۔"

شہباز خان کو جیسے سو بچھوؤں نے ایک ساتھ ڈس لیا۔ وہ بے اختیار ہو کر بولا۔ "اگر بابا مناسب سمجھیں تو کل میرا یہ امتحان بھی لے لیں۔"

سبھی کے دلوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

اگلے روز قبیلے کے سبھی نوجوان اور پرانے نشانہ باز گاؤں کے باہر جمع ہو گئے۔ چھوٹا موٹا میلہ سا لگ گیا۔ سب کے ہاتھ میں اپنی اپنی رائفل تھی۔ قبیلے کے بہترین نشانہ باز پھنے خان کو سردار طُرے خان نے اپنے پاس بٹھا رکھا تھا۔

پہلے دو سو گز کی دوری پر مٹی کے آٹھ گھڑے رکھے گئے جن کے اوپر ایک ایک مٹی کا کلھڑ رکھا تھا۔ پھنے خان نے سردار سے اجازت لے کر چاند ماری شروع کرائی۔ اس نے نشانہ بازوں کو تاکید کی۔ "صرف گھڑے کے اوپر رکھا ہوا کلھڑ اڑے، گھڑا نہیں! دیکھو ایسے!"

پھر دیکھتے ہی دیکھتے پھنے خان نے آٹھوں گھڑوں کے اوپر رکھے ہوئے کلھڑوں کو اڑا دیا۔ چاروں طرف "واہ واہ" اور "شاباش" کا شور بلند ہوا۔ کچھ نوجوان دوڑ کر گئے اور گھڑوں کے اوپر دوبارہ کلھڑ (مٹی کا ایک چھوٹا سا برتن۔ آبخورہ) رکھ آئے۔

سردار طُرے خان بلند آواز میں بولا۔ "شہباز! آؤ اور امتحان دو۔ اس کے علاوہ اور نوجوان بھی آئیں اور اپنا فن دکھائیں۔"

شہباز سہما ہوا سا آگے بڑھا اور نشانہ باندھا۔ "دھائیں" فائر ہوا اور پہلا گھڑا پھٹ گیا۔ اس نے دوسرا فائر کیا اور پھر دوسرا گھڑا بھی سلامت نہ رہا۔ شہباز نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا، پھر پھنے خان کے پاس آ کر بولا۔ "چچا آپ سے درخواست ہے کہ ذرا آپ مجھے اپنی رائفل دے دیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے دانستہ اپنے باپ طُرے خان سے نظریں چرا لی تھیں۔

یہ سن کر کچھ لوگ ہنسنے لگے۔ طُرے خان سنجیدگی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔

پھنے خان نے شہباز کو اپنی رائفل دیتے ہوئے کہا۔ "لو بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک اچھے نشانہ باز ہونے کے ساتھ ساتھ عقل بھی رکھتے ہو۔ اللہ تمہاری مدد کرے۔" پھنے خان کے چہرے پر نرمی اور محبت کے جذبات کا عکس تھا۔

شہباز نے پھنے خان کی رائفل سے نشانہ باندھا اور دیکھتے ہی دیکھتے بقیہ گھڑوں کے

اوپر رکھے ہوئے کلھڑوں کو اڑا دیا۔ پھنے خان نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ ہر طرف تحسین اور حیرت کی لہر پھیل گئی۔ اس کے بعد پھنے خان نے دو گھوڑوں کی پیٹھ پر بھرے ہوئے بورے بندھوائے اور انہیں چھوڑ دیا۔ بھاگتے ہوئے گھوڑوں کے اوپر بندھے ہوئے بوروں پر پھنے خان نے پانچ پانچ فائر بڑی تیزی سے کیے۔ گھوڑے واپس لائے گئے تو سب نے دیکھا کہ بوروں میں پانچ پانچ سوراخ ہو رہے تھے۔ متحرک ہدف پر نشانہ لگانے کا یہ بہترین مظاہرہ تھا۔

شہباز نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور پھنے خان سے دوبارہ رائفل مانگی۔ پھنے خان نے ہنستے ہوئے رائفل دے دی۔ پھر شہباز نے بھاگتے ہوئے گھوڑوں پر بندھے ہوئے بوروں کا نشانہ لیا۔ دس میں سے سات سوراخ ہوئے مگر نشانہ غلط ہونے پر ایک گھوڑے کی ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔

"شاباش بیٹے!" پھنے خان نے کہا۔ "کوئی پرواہ نہیں۔ تمہیں اپنا شاگرد بنا کر میں اپنا سر غرور سے اونچا رکھ سکوں گا۔" پھنے خان، شہباز کا ہاتھ پکڑ کر سردار طُرے خان کے پاس آیا اور بولا۔ "سردار! اگر آپ اجازت دیں تو میں قبیلے کے آئندہ ہونے والے سردار کو جو کچھ بھی ہنر آتا ہے، سکھا دوں۔"

طُرے خان کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر شہباز کا ہاتھ پکڑا اور پھر پھنے خان کے حوالے کر دیا۔

"پھنے خان!" طُرے خان بولا۔ "پگڑی کل چوپال میں باندھی جائے گی۔ شہباز آج سے تمہارا شاگرد اور بیٹا ہے۔"

پھنے خان کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے کہا۔ "سردار! لڑکے کا ذہن اچھا ہے۔ اس نے یہ بھانپ لیا کہ میری رائفل کا نشانہ اچھا ہے۔ یہ ایک اہم بات تھی۔ رائفل کا نشانہ بھی اچھا ہوتا ہے جب اس کی دیکھ بھال اور صفائی اچھی طرح ہوتی رہے۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں یہ امتیاز کر لینا ہونہاری کی نشانی ہے۔ خدا نے چاہا تو شہباز جیسا نشانہ باز آس پاس کہیں بھی نہیں ملے گا۔"

"انشاء اللہ۔" سردار طُرے خان نے کہا۔ "اللہ تمہاری زبان مبارک کرے پھنے خان!"

مقابلہ ختم ہوا۔ سب طرف پھنے خان استاد اور شہباز شاگرد ہی کا چرچا ہوتا رہا۔

☆=====☆======☆

مہ جبیں اپنے بھائی کے زخم کو گرم پانی سے سینک رہی تھی۔ اس کے بھائی گلفام نے لیٹے لیٹے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا مہ جبیں؟"

مہ جبیں نے سب کچھ بتا دیا۔ جب بھی وہ شہباز کا نام لیتی' اس کے ہونٹ لرز اٹھتے۔ اس کے سامنے شہباز کی صورت آ جاتی۔

گلفام تھوڑا اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنی بہن سے کہنے لگا۔ "اگر شہباز وہاں نہ آ جاتا تو غضب ہو جاتا۔"

مہ جبیں بھی اس تصور سے کانپ اٹھی۔ اس کے ہاتھ سے پانی میں ڈوبی ہوئی روئی چھوٹ گئی۔

"اور شاید پھر میرے زخم سے بھی اتنا خون بہہ جاتا کہ میرا زندہ بچنا ممکن نہ ہوتا۔" گلفام نے کہا۔

مہ جبیں اداس سی ہو کر بولی۔ "میں نے بابا کے منہ سے سنا تھا کہ وہ کہہ رہے تھے' شہباز ہمارے دشمن کا بیٹا ہے۔"

گلفام ہنس پڑا اور پھر کہا۔ "بابا کی باتیں عجیب ہوتی ہیں۔ بیٹی کی عزت بچانے والا' بیٹے کی جان بچانے والا اور دشمن! خیر' میں کب تک چلنے پھرنے کے قابل ہو سکوں گا مہ جبیں؟ کیا حکیم صاحب نے کچھ بتایا ہے؟"

مہ جبیں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "دس دن بعد تمہیں بھلا چنگا ہو جانا چاہئے بھائی جان۔"

گلفام بولا۔ "دس دن کے بعد مجھے شہباز کے پاس شکریہ ادا کرنے جانا ہے۔"

مہ جبیں کے چہرے پر حیرت کے آثار ابھرے۔ وہ سہم کر کہنے لگی۔ "اگر بابا کو پتا چل گیا تو؟"

گلفام نے ہنس کر کہا۔ "دشمن کا بیٹا ہمارے قبیلے میں گھس کر احسان کر گیا تو کیا میں اس کے قبیلے میں احسان کا شکریہ ادا کرنے نہیں جا سکتا!"

مہ جبیں لاجواب ہو گئی۔ چند لمحے بعد وہ بولی۔ "تم مرد ہو بھائی جان۔ تمہارا وہاں

جانا باعثِ فخر ہو گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ تم اسے ضیافت پر مدعو کر آؤ۔ اسے ہمارے یہاں نمک کھانا گوارا ہو گا یا نہیں' یہ اس کی نیت کا فیصلہ ہو گا۔"

گلفام نے مسکرا کر اقرار میں سر ہلایا اور کہا۔ "تمہاری تجویز مجھے پسند ہے مگر اس کے لئے بابا سے اجازت لینا ضروری ہے۔"

اس دن کے بعد سے مہ جبیں' گلفام کے زخم کو دن میں تین تین بار سینکنے لگی۔ وہ شاید چاہتی تھی کہ گلفام جلد از جلد جانے کے قابل ہو جائے۔

شاید وہ بارہواں دن تھا۔ گلفام اپنے چار ساتھیوں کے ہمراہ بیستول کی جانب چل دیا۔ بیستول کی سرحد پر اس نے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ دیا۔ اس نے ساتھیوں سے کہا۔ "تم لوگ یہیں رک کر میری واپسی کا انتظار کرنا۔" پھر وہ اکیلا گھوڑے پر سوار ہو کر قبیلے میں گھس پڑا تھا۔ راستے میں ایک راہ گیر سے اس نے پوچھا۔ "خان! مجھے اپنے دوست شہباز کے گھر جانا ہے' اس کا گھر بتا دو! معلوم ہے کدھر ہے؟"

راہ گیر نے اسے طُرے خان کے گھر کا پتا بتا دیا۔ اس وقت شہباز اپنے باپ کے پاس بیٹھا رائفل صاف کر رہا تھا۔

گلفام اس کے دروازے پر گھوڑے سے اترا اور سردار سے بولا۔ السلام علیکم قبلہ! مجھے اپنے دوست شہباز سے ملنا ہے۔"

اپنا نام سن کر شہباز نے گلفام کی طرف نگاہ اٹھائی اور اسے پہچان لیا۔ گلفام کو شہباز نے نیم بیہوشی اور تکلیف کے عالم میں دیکھا تھا۔ شہباز کا چہرہ اس کے حافظے میں محفوظ نہیں تھا۔

سردار طُرے خان بولا۔ "کمال ہے بیٹے! شہباز کو تم اپنا دوست بھی کہہ رہے ہو اور اسے پہچان بھی نہیں رہے!"

"جی ہاں قبلہ!" گلفام نے کہا۔ "میں اس وقت تقریباً بے ہوش تھا! اس لئے اسے نہیں پہچان سکا۔"

شہباز رائفل ایک طرف رکھ کر اٹھا اور شیر جیسی چال سے آگے بڑھا۔ "تم شاید گلفام ہو سردار گلاب خان کے بیٹے!"

"ہاں۔" گلفام جواب میں بولا۔

شہباز نے ہاتھ بڑھایا۔ "میں ہی شہباز ہوں۔ یہ میرے بابا ہیں سردار طُرے خان۔"

گلفام نے ہاتھ ملایا۔ "میں اس دن کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔ میں اپنی بہن مہ جبیں کی طرف سے بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

سردار طُرے خان نے اسے گھور کر دیکھا۔ "غالباً تم یوسف زئی قبیلے کے سردار گلاب خان کے خان زادے ہو!"

"جی ہاں' آپ نے بجا فرمایا۔ میں انہی کا فرزند ہوں۔" گلفام نے جواب دیا۔

"ہمارے در پر آنے سے پہلے تم نے اپنے والد کو اپنا منشا بتایا تھا؟" طُرے خان نے سوال کیا۔

"جی نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں شہباز خان سے ملنے آیا ہوں' اپنے والد کے دشمن سردار طُرے خان سے ملنے نہیں۔ شہباز کو میں دوست قبول کرتا ہوں۔"

"اور مجھے کیا قبول کرتے ہو خان زادے؟"

"آپ میرے محسن اور مہربان دوست کے والد ہیں۔ آپ میرے لئے بھی اتنے ہی قابل احترام ہیں جتنے کہ شیر دل شہباز کے لئے ہیں۔"

طُرے خان یہ جواب سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ "تو آؤ بیٹے' میں تمہارا استقبال کرتا ہوں۔"

اس عرصے میں کچھ اور لوگ بھی آ گئے تھے اور اندر سے انگور کا رس بھی آ گیا تھا۔ گلفام نے شربت پی کر گلاس رکھ دیا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر گلفام نے شہباز سے کہا۔ "میں تمہیں کل ضیافت پر مدعو کرنے آیا ہوں دوست!"

طُرے خان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ دونوں دوستوں کو چھوڑ کر اندر گھر میں چلا گیا۔ شہباز نے گلفام کی طرف دیکھا۔

"آپ کے والد کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟" گلفام نے پوچھا۔

"قطعی نہیں۔" شہباز نے جواب دیا۔ "میں ضرور آؤں گا۔"

"شام کو پانچ بجے میرے ساتھی اور میں آپ کی سرحد سے آپ کو لے جائیں گے۔

آپ ہمارے مہمان ہوں گے۔"

شہباز مسکرایا اور اس کی آنکھوں میں مہ جبیں کا حسین چہرہ گھوم گیا۔ اس نے سوچا کہ شاید مہ جبیں کا بھی دیدار ہو جائے گا۔

گلفام سلام کر کے وہاں سے چل دیا۔ قبیلے میں گھومتے ہوئے وہ وہاں کے چھوٹے بازار میں داخل ہوا۔ ایک خوردہ فروش کی دکان پر وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور دکان دار سے بولا۔ "خان! مجھے ایک سیر نمک چاہیے۔"

دکان دار نے اسے نمک تول کر دے دیا۔ گلفام نے اسے پیسے ادا کر دیے۔

"ایک پرچے پر لکھ دو کہ میں نے ایک سیر نمک تمہاری دکان سے خریدا ہے۔" گلفام نے دکان دار سے کہا۔

دکان دار' گلفام کو حیرت سے دیکھنے لگا مگر جب گلفام نے اس کی طرف ایک روپیا "بخشش" کہہ کر بڑھایا تو اس نے وہ پرچہ لکھ دیا۔ "ایک سیر نمک فروخت کیا' خان گلفام کو۔ دستخط داؤد خان' قبیلہ اُرک زئی' بیستول۔"

گلفام وہ پرچہ اور نمک لے کر مسکراتا ہوا چل دیا۔ دکان دار اب بھی حیران تھا کہ اس سے نمک کی خرید کا پرچہ کیوں لکھوایا گیا ہے؟

یوسف زئی قبیلے میں دوسرے دن صبح ہی سے ضیافت کی تیاری ہونے لگی۔ سردار گلاب خان کے گھر کے آگے میدان میں لکڑیوں کا ڈھیر لگا دیا گیا تھا۔ دو بڑے چولھے پاس پاس رکھے تھے۔ مہمان کے خیر مقدم کے لئے قالین بچھا دیے گئے تھے۔ کل ملا کر تیس افراد کو ضیافت میں شریک ہونا تھا۔ لوہے کی موٹی سلاخیں لکڑیوں کے اوپر جما دی گئی تھیں۔ دو بڑے بکرے آگ پر کباب کیے جانا تھے۔

سورج ڈوب رہا تھا کہ گلفام اور اس کے ساتھی شہباز کو ساتھ لے کر آ گئے۔ شہباز نے بڑے احترام سے سردار گلاب خان کو جھک کر سلام کیا۔

"کیوں بیٹے' کیا آج بھی اپنا نام بتاتے ہوئے تکلف سے کام لو گے؟" سردار گلاب خان نے ہنس کر کہا۔

شہباز کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔ اس شرمندگی سے اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی جس سے وہ اور بھی خوب صورت لگنے لگا۔ کھڑکی سے مہ جبیں اس کے چہرے کو یوں دیکھ رہی

تھی جیسے وہ اس کی تصویر اپنے دل میں اتار لینا چاہتی ہو۔

"میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں قبلہ!" شہباز بالآخر بولا۔ "نام بتاتے ہوئے میں اس لئے جھجک رہا تھا کہ کہیں میرا نام آپ کو ناگوار نہ ہو۔"

"مجھے بہادر لوگ ہر حال میں پسند ہیں بیٹے!" سردار گلاب خان نے کہا۔ "پھر یہ مت بھولو کہ تم میری عزت کے لئے صرف ڈھال ہی نہیں بنے بلکہ تم نے میرے خاندان کے طرف دار بن کر اپنی تلوار بھی کھینچی۔"

"وہ میرا فرض تھا قبلہ!" شہباز بولا۔ "فرض کبھی احسان کا دعویٰ نہیں کرتا۔"

"آفرین! میں بہت خوش ہوں۔ کاش مجھے تمہارا بابا کہلانے کا فخر حاصل ہوتا۔" سردار گلاب خان نے شہباز کو ستائشی نظروں سے دیکھا۔

"بابا جان! میرا نام شہباز خان ہے اور میں آپ کو اپنے بابا ہی کی طرح قابل احترام جانتا ہوں۔"

سردار گلاب خان نے یہ سن کر شہباز کو گلے سے لگالیا۔ مہ جبیں کے چہرے پر جیسے بہاریں رقص کرنے لگیں۔

قالین پر شہباز کی بغل میں سردار گلاب خان اور گلفام بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد لکڑی اور کوئلوں کی آگ میں سالم بکرے گھمائے جانے لگے۔ شربت کے دور چلنے لگے۔ سماں بندھنے لگا۔ ضیافت کے لئے دستر خوان بچھا دیا گیا اور پھر چار پٹھان اندر سے دہکتا ہوا لوہے کا تیجال لائے۔ تیجال کو کھولا تو ایک سالم بکرا کباب ہو کر سرخ ہو گیا تھا۔ احتیاط سے بکرے کو سلاخ سے اتار کر ایک بڑے چاندی کے طشت میں شہباز کے سامنے رکھ دیا گیا۔ ایک پٹھان نے خنجر سے ذرا سا اشارہ کر کے بکرے کے سلے ہوئے پیٹ پر ٹانت کو کاٹ دیا۔ ڈھیر سارے گرم چاول نکل آئے۔ چاولوں میں بادام، پستہ، خوبانی، زعفران، جاوتری اور طرح طرح کے مصالحے ملے ہوئے تھے۔ چاول پھیلتے ہی ان کی خوشبو بھی چاروں طرف پھیل گئی۔

"میں تمہیں اپنا خاص دوست مانتا ہوں شہباز بھائی!" گلفام نے شہباز سے کہا۔ "اور میرے والد تمہیں ثانی گلفام مانتے ہیں۔ پھر بھی احتیاط برتنا ہمارا فرض ہے۔ گوشت اور مسالے کے چاولوں میں نمک پڑنا لازمی تھا۔ تمہیں ہمارے قبیلے کا نمک خوشگوار لگے یا

نہیں، اسی ڈر سے اس بکرے میں جو نمک پڑا ہے، وہ تمہارے ہی قبیلے کے خوردہ فروش داؤد خان کی دکان سے خرید کر لے آیا تھا جب تمہیں مدعو کرنے گیا تھا۔ میرے پاس داؤد خان کی رسید بھی ہے۔" یہ کہہ کر گلفام نے شہباز کے سامنے رسید رکھ دی۔

شہباز یہ سن کر تلملا گیا اور بولا۔ "گویا آپ نے میری نیت پر شک کیا گلفام بھائی!؟" پھر اس نے سردار گلاب خان کی طرف مڑ کر کہا۔ "بابا جان! اگر آپ کو ناگوار نہ لگے تو میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"بولو بیٹے، بے خطر بولو!" سردار گلاب خان شفقت سے بولا۔

"میں آج آپ کا مہمان ہوں۔" شہباز نے کہا۔ "مہمان کی خواہش پوری کرنا آپ کا فرض ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں لکڑیوں پر بھونا ہوا وہ بکرا کھاؤں جس میں آپ کے قبیلے کا نمک پڑا ہے اور آپ سب بزرگ میرے قبیلے کے نمک پڑے اس تیجال کے بکرے کو تناول فرمائیں۔"

سردار گلاب خان اور اس کے ساتھیوں کے چہرے کِھل گئے۔

"مجھے اپنے دوسرے مہمان بیٹے کا حکم منظور ہے۔" سردار گلاب خان کھڑے ہو کر بولا۔

عداوت کی گرد چھٹ گئی۔ برسوں سے یوسف زئی اور اُرک زئی قبیلوں کے درمیان جو دیوار کھڑی تھی، ایک لمحے میں گر گئی۔ بڑی دیر تک وہ جشن چلتا رہا۔ آدھی رات کو تقریباً ایک بجے شہباز نے گھر کے دریچے کی طرف دیکھا کہ شاید مہ جبیں کا چاند سا مکھڑا نظر آجائے اور اس کی تمنا پوری ہوئی۔ وہ چاند اسے نظر آگیا تھا۔

یکایک شہباز اٹھا اور گانے والے کے ہاتھ سے چنگ لے کر مستی میں گانے لگا۔ اس کی آواز میں سوز بھی تھا اور کشش بھی۔ اس کا گیت جیسے درد میں ڈوبا ہوا تھا۔ یوں جیسے قیس اپنی لیلیٰ سے دور رہنے کا شکوہ کر رہا ہو۔

اپنے سلوک، نرمی، خوش مزاجی اور محبت سے شہباز نے یوسف زئی قبیلے کو مسحور کر دیا۔ مہ جبیں بھی اس پر بری طرح فدا ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے دل ہی دل میں کہا، میرا شہباز!

رات کو شہباز، سردار گلاب خان ہی کے یہاں ٹھہرا۔ صبح کے قریب کھٹکے سے اس

کی آنکھ کھل گئی۔ کوئی شمع ہاتھ میں لئے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ شہباز ایک جھٹکے سے اٹھا۔ سہمی ہوئی مہ جبیں کسی ہرنی کی طرح چھلانگ بھر کر اندر بھاگ گئی۔ شہباز مسکرا کر دیکھتا رہ گیا۔ پھر معاً اس کی نگاہ اپنی تلوار پر پڑی۔ تلوار پر سرخ رنگ کا ایک ریشمی رومال بندھا ہوا تھا۔ شہباز نے اس رومال کو کھولا جو خوشبو میں بسا ہوا تھا۔ رومال کے کونے پر ڈورے سے "مہ جبیں" کڑھا ہوا تھا۔

شہباز نے رومال کو بار بار سونگھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ مہ جبیں کو اپنی مضبوط بانہوں میں بھرے ہوئے خوشبو میں بسے اس کے جسم کو سونگھ رہا ہو۔ شہباز سو نہیں سکا اور صبح ہونے تک وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ گھنٹوں تک وہ اس رومال سے خاموش گفتگو کرتا رہا۔ اسے محسوس ہوا جیسے مہ جبیں نے اپنی روح لپیٹ کر رومال میں بند کر دی ہو۔

صبح ناشتے کے بعد جب شہباز سب سے مل کر رخصت ہو رہا تھا وہ اِدھر اُدھر کہیں مہ جبیں کی ایک جھلک دیکھنے کو بے چین تھا۔ باہر آ کر اس نے بالائی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ کھڑکی کے ایک بند کواڑ کے ساتھ ہی مہ جبیں اسے اداس نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اسی دم مہ جبیں کا بند کنول جیسا ہاتھ اٹھا اور اس نے شہباز کو سلام کیا۔ شہباز نے بھی خفیف سے سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا اور چل دیا۔

☆=====☆======☆

نور خان کنوئیں کے پاس والی باغیچی میں لیٹا ہوا سانپ کے مانند زہر آلود گرم سانس لے رہا تھا۔ اسے اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا مگر شہباز کے دم خم نے اس کے مغالطے کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اس نے اپنے مخبر عیدو خان کو شہباز کا اتا پتا معلوم کرنے بھیجا۔ عیدو خان اگلے ہی روز خبر لے کر آ گیا۔

"خان! اس خان زادے کا نام شہباز خان ہے۔ وہ اُرک زئی قبیلے کے سردار طُرے خان کا بیٹا ہے' کشتی' گھڑ سواری اور ہتھیار چلانے کا شوقین ہے۔ اس کے علاوہ بے مثال نشانہ باز بھی ہے۔"

"خاموش!" نور خان کھسیانا ہو کر بولا۔ "زیادہ چاپلوسی مت کر! اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اُرک زئی ہے۔"

نور خان عموماً نورا کہلاتا تھا۔ وہ اکا دکا وارداتیں اور لوٹ کھسوٹ کرتا رہتا تھا۔ اس

کے باپ سردار ہلال خان کو یہ خبر نہیں تھی۔

نورا کے ساتھ پانچ افراد اور تھے جو سبھی راہزن تھے۔ چھوٹی موٹی لوٹ مار ہی میں وہ خوش رہتے تھے۔ نورا نے کبھی سرکاری گھڑ سواروں سے ٹکر نہیں لی تھی اور نہ ہی کسی انگریزی چوکی پر حملہ کیا تھا۔ شیر اور بھیڑیئے کے وار میں بہرحال فرق ہوتا ہے اوز نورا شیر نہیں تھا۔

ایک دوپہر کو نورا اپنے اچکے ساتھیوں کے ہمراہ درہ خیبر کے آس پاس منڈلا رہا تھا۔ اس آن اسے ایک بگھی دکھائی دی جس کے پیچھے پیچھے دو سوار بھی چل رہے تھے۔ وہ دونوں ہی مستعد اور چوکنا معلوم ہو رہے تھے۔

"خان! دیکھو یہ انگریزوں کی بگھی لگتی ہے۔" نورا کا ایک ساتھی بری خان غصے سے بولا۔ ہر پٹھان انگریزوں کو اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ بری خان کے غصے کا سبب یہی تھا۔ پٹھانوں کو غصہ دلانے کے لئے انگریزوں کا ذکر ہی کافی ہوتا تھا۔

"کیا ہو سکتا ہے' اس بگھی میں؟" نورا بڑبڑایا۔ "اگر خزانہ ہوتا تو بگھی کے ساتھ زیادہ سوار ہوتے' پھر بھی دیکھتے ہیں۔"

نورا نے رائفل سیدھی کر کے ایک سوار کو نشانہ بنایا۔ وہ گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ گولی اس کے قریب سے گزر گئی تھی اور وہ دانستہ گھوڑے سے گرا تھا۔ اب وہ اٹھ کر کوئی آڑ ڈھونڈ رہا تھا۔ تب تک دوسرے ساتھی نے دوسرے سوار پر نشانہ باندھا۔ سوار کا گھوڑا گر پڑا۔ گولی کی آواز سے بگھی کے گھوڑے بدکے اور بگھی اِدھر اُدھر بھاگنے لگی۔ بگھی سے کسی لڑکی کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔

نورا کے ساتھیوں نے گرے ہوئے سرکاری سواروں کو اُلجھائے رکھا۔ باقی ساتھیوں کے ہمراہ نورا کسی گدھ کی طرح بگھی پر جھپٹا۔

بگھی پر قابو پا لیا گیا۔ نورا نے بگھی کے اندر جھانکا۔ ایک موٹی آیا کسی انگریز صاحب کی پانچ سالہ بچی کو اپنی بانہوں میں لئے رو رہی تھی۔

نورا سب کچھ سمجھ گیا۔ اس نے جھپٹ کر لڑکی کو آیا سے چھین لیا۔

"نہیں نہیں خان!" آیا گڑگڑائی۔ "مسی بابا ابھی ابھی بیماری سے اٹھی ہے۔ اس کی ممی رو رو کر مرجائے گی۔"

"اس کی ماں کو ہم مرنے نہیں دیں گے مٹکی!" نورا شیطان کی طرح ہنستے ہوئے بولا۔ "اس کے فرنگی باپ کو بتا دینا کہ کل یہیں دو ہزار روپے لے کر آ جائے۔ بچی واپس کر دی جائے گی۔" پھر نورا نے سانپ کی طرح آنکھیں چمکا کر کہا۔ "بتا دینا کہ شہباز خان نے لڑکی کو اٹھا لیا ہے۔ روپے اس ہاتھ اور لڑکی اس ہاتھ! کل شام اس کا باپ چار بجے تک نہیں آیا تو لڑکی کی لاش قریبی نالے میں ملے گی!"

آیا یہ سن کر کانپ گئی۔ روتی ہوئی بچی ڈیفنی جیمس کو نورا نے اپنے گھوڑے پر بٹھایا اور چل پڑا۔

"یاد رکھنا' میرا نام شہباز خان ہے۔" چلتے چلتے نورا نے چیخ کر کہا۔ "اُرک زئی قبیلے کا شہباز خان!"

اس کے ساتھی دور نکل گئے تو بری خان نے اس سے پوچھا۔ "تم نے اپنا نام شہباز خان کیوں بتایا؟"

"اسے ایک تیر سے دو شکار کرنا کہتے ہیں۔" نورا خبیثوں کی طرح ہنسا۔ "فرنگی اس طرح شہباز کے پیچھے پڑ جائیں گے' بے وقوف اس لئے!"

ساتھیوں نے نورا کی عقل کی داد دی۔

ادھر جس بگھی سے ڈیفنی کو اغوا کیا گیا تھا جب ڈیفنی کے بغیر پہنچی تو چھاؤنی میں کہرام مچ گیا۔ ڈیفنی کی ماں بے ہوش ہو گئی۔ خود کیپٹن جیمس بھی گھبرا گیا۔ وہ دانت پیس کر بولا۔ "شہباز.......... شہباز.......... میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔" آیا نے اغوا کرنے والے کا یہی نام بتایا تھا۔ "سنو البرٹ!" جیمس نے کہا۔ "یقین کرو کہ میں اس شہباز خان کو زندہ نہیں...... .."

"جیمس!" کیپٹن ہومز نے جیمس کی بات کاٹ دی۔ "اس وقت سوال ڈیفنی کو بچانے کا ہے اس لئے ٹھنڈے دل سے کام لو۔"

جیمس کے ایک اور ساتھی البرٹ نے بھی یہی مشورہ دیا اور بولا۔ "میری رائے یہ ہے کہ تم دو ہزار روپے لے کر سب سے پہلے ڈیفنی کو رہا کرا کے لے آؤ' اس وقت کوئی چالاکی نہ کرنا۔ پٹھان بڑے سنگ دل ہوتے ہیں۔"

سب نے ہومز اور البرٹ کے مشورے کو سراہا۔ جیمس نے بھی اسی میں اپنی بچی کی

بھلائی سمجھی۔ سبھی معصوم بچی کی جان کی خیر مانگ رہے تھے۔

آفیسرز میس میں اس شام شہباز ہی کا ذکر ہو رہا تھا۔ میجر پیٹرک وہسکی کا گلاس نچاتا ہوا بولا۔ "اس شہباز سے بعد میں نمٹیں گے۔ میں اس شہباز خان کو ٹھیک کر دوں گا۔ میں نے ایسے بہت سے شہبازوں کو زمین کی دھول چٹائی ہے۔ شراب کے جام کی قسم دوستو! میں شہباز کو نہیں بخشوں گا۔" میجر پیٹرک نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔ پھر کہا۔ "مجھے پتا نہیں تھا کہ پٹھان اب اتنے گر گئے ہیں کہ چھوٹی سی بیمار بچی پر اپنی بہادری دکھانے لگے ہیں۔ یہ شہباز خان کوئی ٹچا بزدل معلوم ہوتا ہے۔ مرد' مرد سے ٹکر لیتا ہے' معصوم بچوں سے نہیں۔"

بار کاؤنٹر پر شراب دینے والا رحمان خان سب کچھ سن رہا تھا۔ اُرک زئی قبیلے سے تعلق رکھنے والا وہاں آب دار جبر خان بھی تھا۔ رحمان نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ جبر خان کی نگاہیں جھک گئیں۔ وہ دونوں میس ہی میں ملازم تھے۔

میس بند ہو گیا تو رحمان خان نے جبر خان کو مخاطب کیا۔ "سنا جبرے! میں تو شرم سے گڑ گیا۔ واہ بھائی شہباز واہ! کس قبیلے نے ایسا بہادر پیدا کیا ہے جو معصوم بچوں کو بھی اغوا کر لیتا ہے!"

اس طعنے کو سن کر جبر خان تلملا گیا۔ وہ سوچ میں ڈوبا ہوا بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا استاد کہ یہ کیسے ہو گیا! شہباز خان ایک بہادر نوجوان ہے۔ عورت پر تو وہ کبھی نگاہ تک نہیں ڈالتا۔ مسی بابا تو ایک پانچ سالہ معصوم بچی ہے' قدرت کا تحفہ ہے..........! کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" جبر خان سر جھکائے شہباز کو کوسنے لگا۔ آدھی رات ہوئی تھی کہ اس نے رحمان خان کو جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ "استاد! مجھے اپنے قبیلے کی بے عزتی پچ نہیں رہی ہے۔" اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی اور اسی وقت شہباز کو شرمندہ کرنے جا رہا ہوں۔ کل دوپہر تک لوٹ آؤں گا۔"

رحمان جھنجلا کر بولا۔ "مگر جاؤ گے میرے سر پر بیٹھ کر؟ اور وہ بھی آدھی رات کو!"

"استاد! میں نے گھوڑے کا بندوبست کر لیا ہے۔" جبر خان نے بتایا۔ "اور میس کا پاس بھی مع فوٹو کے میرے پاس ہے۔ سنتری جب روکے گا تو کہہ دوں گا کہ میری ماں سخت بیمار ہے' چھٹی پر جا رہا ہوں۔"

"مگر چھٹی تو سیکرٹری صاحب دیتا ہے' رحمان نہیں۔" رحمان بولا۔

"تمہیں میری مدد کرنا پڑے گی استاد!" جبر خان نے گڑگڑا کر کہا۔ "میرے پورے قبیلے کی عزت کا سوال ہے۔"

رحمان نے جبر خان کو گھور کر دیکھا۔ "اچھا تو جاؤ مگر لنچ کے وقت تک لوٹ آنا۔"

غصے اور شرم سے غم زدہ جبر خان گھوڑے پر بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ میس کا پاس اس کے لئے ایک زرہ بکتر ثابت ہوا۔ تقریباً چار بجے صبح وہ سردار طُرے خان کے مکان پر پہنچا۔ دروازے کی کنڈی بجا بجا کر اس نے سارے ہی محلے کو جگا دیا۔

آنکھیں ملتا ہوا شہباز باہر آیا۔ "کون ہے جو دروازے کو ڈھول کی طرح پیٹے جا رہا ہے؟"

جبر خان طنز آمیز لہجے میں بولا۔ "واہ بہادر شہباز خان! سردار طُرے خان کے جگر بند! کیا کہنے تمہاری بہادری کے!"

شہباز صبح دم یہ طنزیہ بات سن کر چکرا گیا۔ پھر اسے غصہ آ گیا۔ "کیا بکتا ہے؟" اس نے جبر خان کی گردن پکڑ لی۔

"لو' دیکھ لو سردار!" جبر خان زور سے چلایا۔ "انگریز صاحب کی پانچ سالہ معصوم اور پیار بیٹی کو اٹھا لایا ہے اور میرا گریبان بھی پکڑ رکھا ہے۔ میس میں سب انگریز اُرک زئی قبیلے پہ تھوک رہے تھے۔ میں بھی اُرک زئی ہوں۔ نہیں خان! معصوم بچوں کی طرف اُرک زئی کبھی ہاتھ نہیں بڑھاتا۔"

سردار طُرے خان بھی اس وقت تک باہر آ چکا تھا۔ وہ بھاری آواز میں بولا۔ "اسے چھوڑ دو شہباز!"

شہباز نے باپ کا حکم سن کر جبر خان کی گردن چھوڑ دی۔

"اب بتاؤ جبر خان! کیا جھمیلا ہے؟" طُرے خان نے کہا۔

جبر خان نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔

"کیا یہ سچ ہے شہباز؟" طُرے خان نے دریافت کیا۔

"جی نہیں بابا!" شہباز نے جواب دیا۔ "قسم قرآن شریف کی بابا' مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

سردار طُرے خان نے چند لمحے کچھ سوچا' پھر کہنے لگا۔ "ہوں..........! تو کوئی تمہیں بدنام کرنا چاہتا ہے۔ کچھ قبیلے عورتوں اور بچوں کو اٹھا کر زر فدیہ لیتے بھی ہیں مگر ہمارا قبیلہ بچوں اور عورتوں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ کون ہو سکتا ہے جو تمہیں اس طرح بدنام کرنا چاہتا ہے؟" طُرے خان' شہباز خان کی طرف مڑا۔

شہباز کا دھیان مہمند قبیلے کے نور خان کی طرف گیا۔ مہ جبیں والا واقعہ اس کے ذہن میں تازہ ہو گیا۔

"میرے خیال میں یہ کام سردار ہلال خان کے بیٹے نور خان کا ہے۔" شہباز خان نے اپنا خیال ظاہر کر دیا۔

"ہوں!" سردار طُرے خان پھر کچھ سوچنے لگا۔ پھر جبر خان سے مخاطب ہوا۔ "جبر خان! بچی کی رہائی کے لئے کتنا زر فدیہ مانگا گیا ہے؟"

"شاید دو ہزار روپے مانگے گئے ہیں۔" جبر خان نے بتایا۔ "ایسا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ کل شام چار بجے تک زر فدیہ ادا کرنا ہے۔"

"میں بھی چار بجے وہاں پہنچوں گا بابا!" شہباز اپنے باپ سے بولا۔

"ٹھیک ہے' پہنچ جانا۔" طُرے خان نے کہا۔ "مگر دو ہزار روپے مجھ سے لے جانا اور مہمندوں کے سردار یا خان زادے کو دے آنا۔ ان کے قبیلے میں زر فدیہ لینا جائز سمجھا جاتا ہے۔"

شہباز نے حیرت سے یہ بات سنی اور بولا۔ "مگر بابا.........."

"زیادہ بات بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے شہباز۔" طُرے خان نے بیٹے کی بات کاٹ دی۔ "مہمندوں سے ہماری کوئی چشمک نہیں۔ ہاں تمہاری اور نور خان کی رنجش ہو سکتی ہے اس لئے میرا مشورہ ہے کہ ان کے دو ہزار انہیں مل جائیں اور فرنگیوں کو ان کی بچی مل جائے۔"

جبر خان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر سردار طُرے خان کے ہاتھ چوم لئے اور پھر اس نے شہباز کا دامن پکڑ کر کہا۔ "مجھے معاف کر دینا چھوٹے سردار!" وہ رونے لگا۔ "میں نے اپنے قبیلے اُرک زئی پر شک کیا۔ میں کتنا کمینہ ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔"

شہباز نے اسے گلے لگالیا۔ ”نہیں چاچا! آپ نے تو مجھ پر یہ احسان کیا ہے جسے میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ آپ نے میرے نام کی آبرو رکھی۔ آپ نے تو پورے قبیلے کی عزت رکھی ہے۔ اگر آپ اصل واقعہ نہ بتاتے تو ہم اندھیرے میں رہتے۔ آپ کو اپنے قبیلے پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔“

جبر خان آنسو پونچھتا ہوا چلا گیا۔

دوسرے دن شہباز دس ساتھیوں کو لے کر چل پڑا۔ گھوڑے پر دو ہزار چاندی کے روپوں کی تھیلی بھی بندھی تھی۔ نور خان اور اس کے پانچوں ساتھی ہنسی مذاق کرتے ہوئے کچے راستے سے نکلے' ڈیفنی' نورا کی کمر سے بندھی تھی خوف اور کمزوری سے وہ مرجھا گئی تھی۔

شہباز نے اسے میدان سے نکلتے ہی دھرلیا۔ دس رائفلوں کی نالیں نور خان اور اس کے ساتھیوں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

”کہاں جارہے ہو خان زادے شہباز خان۔“ دانستہ شہباز خان نے نور خان کو اپنے نام سے مخاطب کیا۔

نور خان سکتے میں آگیا۔ وہ اپنے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

”تم؟“

”جی ہاں خان زادے' میں!“ شہباز نے کہا۔ ”مجھے خبر ملی کہ تمہیں میرا نام بہت پسند ہے۔ خیر ہم کوئی اور نام رکھ لیں گے اپنا! اور ذرا یہ تو بتاؤ' اس ننھے پھول کو کہاں لئے جارہے ہو خان بہادر؟“ شہباز نے بچی کی طرف اشارہ کیا۔

نور خان مضحکہ اڑانے والے لہجے کی وجہ سے غصے میں آگیا۔ مگر اس کی ہمت چون وچرا کرنے کی بھی نہیں ہو رہی تھی۔

”ان کی بندوقیں قبضے میں لے لو وحید!“ شہباز نے بہ آواز بلند اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا۔

وحید خان نے آگے بڑھ کر سب کی بندوقیں چھین لیں۔ باقی رائفلوں کی نالیں اب بھی نور خان اور اس کے ساتھیوں کو نشانے پر لئے رہیں۔

”نور خان! اس بچی کو اس فرنگی کے حوالے کرنا ہے۔ میں پیچھے پیچھے چلوں گا۔“

شہباز بولا۔

نورا سٹپٹا گیا۔ پھر وہ سب موقع پر پہنچ گئے۔

ٹھیک چار بجے کیپٹن جیمس دور سے آتا دکھائی دیا۔ وہ سفید جھنڈا پکڑے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے ساتھی شاید آس پاس چھپے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ اکیلا ہی آ رہا تھا۔ گھوڑے کی دائیں طرف تھیلی بندھی ہوئی تھی۔

شہباز' نورا سے کوئی بیس قدم دور تھا۔

”فرنگی صاحب! ہم کوئی دھوکا نہیں کریں گے۔ آپ اس چٹان کی آڑ میں اپنی بیٹی لے لیجئے!“ شہباز زور سے چلایا۔

کیپٹن جیمس نے حکم کی تعمیل میں اپنا گھوڑا چٹان کی طرف موڑ دیا۔ آڑ میں نورا نے سہمتے ہوئے ڈیفنی کو کیپٹن جیمس کے سپرد کر دیا۔ ڈیفنی یکایک ”پاپا“ کہہ کر اس سے لپٹ گئی۔ کیپٹن جیمس نے روپوں کی تھیلی کھول کر آگے رکھ دی۔

”ٹھہرو!“ شہباز نے زور سے کہا اور نورا کو سامنے کرتے ہوئے بولا۔ ”صاحب بہادر! تھیلی کو اِدھر لائیے۔“

کیپٹن جیمس نے تھیلی شہباز کو تھمادی۔ شہباز تھیلی لے کر مسکرایا۔

”میں یہ تھیلی تمہاری بچی کی نذر کرتا ہوں صاحب!“ شہباز نے کہا۔ ”مجھے خوب دیکھ کر پہچان لیں۔' میں شہباز خان ہوں اور جس نے تمہاری بیٹی کو اغوا کر کے مجھے بدنام کرنا چاہا وہ خان زادہ یہ ہے مگر میں اس کا نام اور قبیلے کا نام نہیں بتاؤں گا۔ ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ ہمارے اُرک زئی قبیلے سے نہیں ہے۔ اگر میں نے اس کا نام اور قبیلے کا نام بتا دیا تو اس کے والد کا سر شرم سے جھک جائے گا۔ اس کے والد میرے والد کے دوست ہیں۔“

کیپٹن جیمس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار تھے۔ اس نے شہباز سے کہا۔ ”کیا میں تم سے ہاتھ ملا سکتا ہوں شہباز بہادر؟“

”ضرور۔“ شہباز مسکرا کر بولا۔ اس نے گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر کہا۔ ”کبھی آپ سے میدان میں ملاقات ہو گی صاحب!“

کیپٹن جیمس سسکتی ہوئی بچی کو لے کر واپس چلا گیا۔

"چلئے خان زادے' واپس چلیں۔" شہباز نے اپنی رائفل کی نال نور خان کی طرف کر دی۔ پھر اس نے اپنے ایک ساتھی نجف خان کو آواز دے کر کہا۔ "نجف خان! مہمند قبیلے کی طرف چلو!"

وہ سب مہمند قبیلے کی جانب چل دیے۔

جب قبیلے کی سرحد نظر آنے لگی تو شہباز خان اپنے ساتھیوں سے بولا۔ "تم خان زادے اور اس کے جگری دوست پر یہیں نظر رکھنا' میں ابھی آیا۔"

شہباز اپنا گھوڑا آگے بڑھا لے گیا۔ اس کا رخ آبادی کی طرف تھا۔ آبادی میں پہنچ کر اس نے سردار ہلال خان کا گھر پوچھا اور پھر گھر کے سامنے گھوڑے سے اتر گیا۔ دروازے کی کنڈی اس نے کھٹکھٹا دی۔

"کون ہے؟" سردار کی بھاری آواز سنائی دی اور پھر وہ باہر آ گیا۔

شہباز نے اسے جھک کر سلام کیا اور بولا۔ "قبلہ! میں سردار طُرے خان اُرک زئی کا بیٹا ہوں۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے نور خان سے دو ہزار روپے ادھار لئے تھے۔ وہ روپے میں اس وقت واپس کرنے آیا ہوں۔"

سردار طُرے خان کا نام سنتے ہی ہلال خان نے شہباز کو اپنی بانہوں میں لے لیا۔ "ارے بیٹے' تم اتنے بڑے ہو گئے!" ہلال خان نے بڑی محبت سے کہا۔ "سردار طُرے خان تو خیریت سے ہیں؟"

"آپ کی عنایت ہے۔" شہباز نے جواب دیا' پھر روپوں کی تھیلی' ہلال خان کو پکڑا کر کہا۔ "میں جلدی میں ہوں قبلہ' آپ نور خان کو یہ روپے دے دیجئے گا۔ ہاں میں نے ان کا سود نہیں دیا ہے کیوں کہ ایک دوست' دوسرے دوست سے سود نہیں لیتا۔"

"ارے بیٹے' اتنی جلدی بھی کیا ہے!" ہلال خان بولا۔ "میں تمہیں شربت پلائے بغیر نہیں جانے دوں گا۔"

پھر اندر سے شربت منگوایا اور شربت پی کر شہباز واپس چل دیا۔

نورا اپنے ساتھیوں کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا۔ شہباز خان اور اس کے ساتھی' بندوقیں واپس کر کے جا چکے تھے۔ انہوں نے کارتوس نکال کر بندوقیں واپس کی تھیں۔ نورا کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔

"اس خنزیر کے بچے شہباز سے بدلہ نہیں لیا تو میرا نام نور خان نہیں۔" نورا نے اپنی نفرت کا اظہار کیا۔

"کچھ بھی ہے خان' اُرک زئی کا جوان ہے بہادر!" اس کے ایک ساتھی نے کہا۔

"خاموش!" نورا نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا۔

سب منہ لٹکائے قبیلے میں داخل ہوئے۔ گھر پہنچتے ہی نورا کے والد سردار ہلال خان نے اس سے کہا۔ "کہاں گیا تھا نورا؟ یہاں تیرا دوست شہباز آیا تھا۔ اس نے تجھ سے جو دو ہزار روپے ادھار لے رکھے تھے' وہ لوٹا گیا ہے۔ یہ لے سنبھال اپنی رقم!"

نورا سر جھکائے اپنے باپ کی بات سنتا رہا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے شہباز نے پانی میں بھیگا ہوا کوڑا اس کی ننگی پیٹھ پر مارا ہو۔ اسی خیالی کوڑے کی نیلی دھار' نورا کے دل پر نشان چھوڑ گئی' کبھی نہ مٹنے والا نشان!

☆-----☆------☆

پھٹے خان نشانہ باز کی سفارش سن کر ہی سردار طُرے خان نے سارے قبیلے کے سامنے بزرگ پرانے جنگ باز بہادروں میں خشک میوے بانٹے۔

"بیٹے شہباز!" طُرے خان نے بیٹے کو مخاطب کیا۔ "ہمارا قبیلہ کبھی عورت اور کسی معصوم بچے پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ دوسرے یہ کہ ہمارے قبیلے کا بہادر' خدا کو پیارا ہوتا ہے۔ یاد رکھنا کہ ہمارے قبیلے کے جوانوں کا خون ان کے پنجوں پر گرتا ہے' ایڑیوں پر نہیں! میں اُرک زئی قبیلے کی عزت و حرمت تمہارے ہاتھ میں دے رہا ہوں۔"

شہباز نے سب کے رو بہ رو سر جھکا کر وہ تمام شرائط قبول کیں جو اس کے باپ نے بیان کی تھیں۔

سردار طُرے خان نے اسے لال ریشم کے دھاگے کا ایک عقدہ دیا اور کہا۔ "ایک بات رہ گئی۔ ہم بہادر کی عزت کرتے ہیں۔ دوست ہو یا دشمن مگر بہادر ہو۔ جب کوئی بہادر دشمن ہمارے ہاتھوں مارا جاتا ہے تو ہم یہ لال ریشمی دھاگا اس کی کلائی پر باندھ دیتے ہیں۔"

شہباز نے لال ریشمی دھاگے کا گچھا لے لیا۔

اس دن سے شہباز اپنے جنگل کا شیر بن گیا۔ اس کے ساتھ تقریباً چالیس ساتھیوں کا گروہ تھا۔ اس کے دو خاص دوست تھے۔ ایک تو فرید اور دوسرا اسلم۔ فرید گھڑسواری میں بے مثال تھا۔ اسلم کا سینہ پتھر کی سل جیسا مضبوط اور چوڑا تھا۔ کشتی لڑنے اور پنجہ کشی میں دور دور تک اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ شہباز پہلوان بھی تھا اور گھڑسوار بھی مگر وہ اپنے ان دونوں بازوؤں پر ناز کرتا تھا۔

دوسرے ہی روز سے شہباز' انگریزی چوکیوں پر عقاب کی طرح جھپٹنے لگا۔ پندرہ دن کے اندر اندر اس نے دس رائفلیں اور جمرود سے آتا ہوا سرکاری خزانہ لوٹ لیا۔ سرکاری

خزانے کے لوہے کے صندوق میں بیس ہزار روپیا ملا۔ شہباز کے چار ساتھی اس خوں ریز معرکے میں کام آئے۔ شہباز اپنے ساتھیوں کی لاشیں پیچھے چھوڑ کر کبھی نہیں آتا تھا۔ بھاری گولہ باری کے باوجود اس کے ساتھی چاروں لاشوں کو اپنے گھوڑوں پر لاد کر واپس آ گئے تھے۔ شہباز کی بہادری اور دلیری دیکھ کر انگریز بھی اش اش کر اٹھے تھے۔ اب اس کا لقب سرباز پڑ گیا تھا' سر کی بازی لگانے والا! وہ شہباز سرباز کہلانے لگا تھا۔ دور دور تک پٹھان قبیلوں میں اس کے نام کی عزت اور شہرت تھی۔ سبھی کا کہنا تھا کہ پٹھانوں میں طویل عرصے کے بعد کوئی بہادر جوان پیدا ہوا ہے جس نے انگریز دشمن سے بھی اپنی بہادری کا لوہا منوایا ہے۔

جمرود میں ہونے والی کانفرنس میں اسٹیشن کمانڈر میجر ویزورتھ نے غیر جانب داری سے کام لیتے ہوئے شہباز کی دلیری کو سراہا۔ اس نے کہا تھا۔ "سرحد کی چوٹیوں کی دھندلی لکیر کے اس پار ہر صبح سورج آہستہ آہستہ سر اٹھا کر ابھرتا ہے اور پھر شام کو جیسے آپ ہی اپنی قبر میں اتر جاتا ہے مگر ایک اور بھی آوارہ سورج ہے۔ وہ جب چاہے تب سرحد کی دھندلی لکیروں کو پار کر کے نکلتا اور ڈوبتا رہتا ہے۔ یہ نڈر اور ضدی آوارہ سورج شہباز سرباز ہے۔ اس کے ساتھی سورج کی کرنوں کے مانند اس کی چاروں طرف چکاچوند کر دینے والی رفتار سے منڈلاتے رہتے ہیں۔ کاش ہم اس آوارہ سورج کی روشنی کو اپنے قبضے میں لا سکیں۔"

بلاشبہ شہباز ایک آوارہ سورج ہی تھا۔ جب اس کا دل چاہتا وہ سرحد پر طلوع ہو جاتا اور جب اس کا جی کرتا سرحد کی اوٹ میں غروب ہو جاتا۔ اب تک انگریز اسے قابو میں کرنے کی کوئی تدبیر نہیں کر سکے تھے۔

لیفٹیننٹ کرنل سر ہیرالڈ ڈین نے ایک بڑی کانفرنس پشاور میں کی تھی۔ شہباز کی سرگرمیوں نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ اس کی رائے تھی کہ جمرود کے قلعے سے "گارڈن ہائی لینڈرز" کی ایک کمپنی طلب کر لی جائے مگر میجر پیٹرک نے اس سے اختلاف کیا۔ میجر پیٹرک نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ اس سے جمرود کے قلعے کی ذمہ داری و حفاظت مخدوش ہو جائے گی۔ بہتر ہے کہ ہندوستان کے کسی رسالے کا اسکواڈرن بلا لیا جائے جس کے سوار منتخب بہادر ہوں۔ کرنل ڈین نے پیٹرک کی دلیل کو تسلیم کر لیا۔

"تمہارا مشورہ میری رائے سے بہت بہتر ہے۔ میں کل ہی سی این سی کو اس سلسلے میں لکھوں گا۔" کرنل ڈین بولا۔

"سندھ ہارس" ان دنوں لاہور چھاؤنی میں پڑا ہوا تھا۔ میجر کاکرن کا اسکواڈرن اس وقت "ہیوک ڈیولز" کے نام سے مشہور تھا۔ جس روز "سندھ ہارس" کا رجمنٹل ڈے منایا گیا تھا' اس دن کاکرن کے اسکواڈرن کے کرتب دیکھ کر پورا لاہور انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔ کاکرن خود ایک تجربہ کار گھڑسوار تھا جو زمین کے اندر گز بھر گڑے کیلے کو نیزے اور تلوار سے اکھاڑتا ہوا آندھی کی طرح نکل جاتا تھا۔ اس کے رسالے کے سبھی سوار چھٹے ہوئے ہیرے تھے۔ وہ اپنے ہر ایک سوار پر ناز کرتا تھا۔ جب کرنل ڈین کا پیغام آیا تو میجر کاکرن کا اسکواڈرن ہی سرحد کے لئے چنا گیا۔ اس رات میجر کاکرن نے خوب ڈٹ کر شراب پی تھی۔ سارا اسکواڈرن لنگر میں شراب اور گوشت پر ٹوٹ پڑا تھا۔ دوسرے اسکواڈرن جھینپے ہوئے سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ کتنا خوش نصیب تھا میجر کاکرن! سبھی افسر میس میں یہ دبی زبان میں کہہ رہے تھے۔

ہفتے بھر کے اندر میجر کاکرن اپنے بہادر سواروں کو لے کر سرحد پہنچ گیا تھا۔ سارا اسکواڈرن بانٹ دیا گیا تھا۔ چھ چوکیوں پر آدھا آدھا ٹروپ تعینات کر دیا گیا تھا۔ پانچ نمبر چوکی کے آس پاس شہباز کے تین چار حملے ہو چکے تھے۔ اس چوکی کے قریب ہی درے کے اندر ڈاک گاڑی کی بگھی نکلتی تھی۔ فوج کا خزانہ بھی خچروں کی پیٹھ پر لاد کر آس پاس کی چوکیوں پر جاتا تھا اس لئے پانچ نمبر چوکی ایک اہم چوکی تھی۔ اس چوکی سے تقریباً چار سو گز دور ذکاخیل قبیلے کا گاؤں تھا۔ قبیلے کے سردار بہرام خان کو انگریز انتظامیہ ہر سال چھ ہزار روپے دیتی تھی۔ صلے داری کی اس رقم کا فائدہ یہ تھا کہ یہ پٹھان بھی انگریزوں کی طرف سے اکادکا حملوں میں مدد دیتے تھے۔

میجر کاکرن نے پانچ نمبر چوکی پر اپنے سب سے بہادر اور بہترین دفعدار درگا سنگھ کو بھیجا۔ درگا سنگھ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھتے ہی ایک آفت بن جاتا تھا۔ میجر کاکرن اسے خود سے بہتر سوار مانتا تھا۔ درگا سنگھ کے ستے ہوئے بدن اور چیتے جیسی کمر پر سب کی نظر یکبارگی ٹھہر جاتی تھی۔ درگا سنگھ کے کرتب پوری پلٹن میں مشہور تھے۔

پانچ نمبر چوکی کے گشت اور چوکسی سے شہباز خان کی آزادی میں بھی فرق آیا۔ اس

دن شہباز نہیں نکلا بلکہ فرید خان ٹکڑی لے کر درے کے پاس راشن اور شراب کی پیٹیوں سے لدے خچروں کی قطار پر نظریں لگائے بیٹھا رہا۔ جس وقت فرید اپنے ساتھیوں کو لے کر ان پر ٹوٹا' اسی وقت درگا سنگھ کے دس سواروں نے دوڑتے ہوئے گھوڑوں پر بیٹھے بیٹھے اتنے صحیح نشانے لگائے کہ فرید اپنے دو ساتھیوں کو کھو کر بھاگ گیا۔ دونوں کی لاشوں کو پیچھے چھوڑ کر آنا فرید کو کھٹک رہا تھا۔ حملہ ناکام ہونے پر فرید پھر پلٹا۔ وہ سفید جھنڈا لہراتا ہوا درگا سنگھ کے سواروں کے پاس آیا۔ درگا سنگھ نے اسے قریب آنے کی اجازت دے دی۔

"ہماری درخواست یہ ہے کہ ہمیں اپنے بہادروں کی لاشیں اٹھانے دی جائیں۔" دور ہی سے فرید چلایا۔

درگا سنگھ بھی ایک بہادر راجپوت تھا۔ وہ بولا۔ "ٹھیک ہے۔ ہتھیار ہمارے اور لاشیں تمہاری! تم لاشیں لے جا سکتے ہو۔"

پھر فرید اپنے دو ساتھیوں کو لے کر آیا اور اپنے مقتولوں کی لاشیں گھوڑوں کی پیٹھ پر لاد کر لے چلا۔ چلتے وقت درگا سنگھ کو فرید نے بھرپور نظر سے دیکھا۔ گھورتے ہوئے اس نے درگا سنگھ سے کہا۔ "میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں سردار!"

جواب میں درگا سنگھ صرف مسکرا دیا۔

شہباز خان کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ تلملا کر رہ گیا۔ اس کے ساتھیوں کا حملہ نہ صرف ناکام ہوا تھا بلکہ دو افراد بھی مارے گئے تھے۔ پھر جب فرید نے اس کافر ہندو دفعدار کی دریا دلی بیان کی تو شہباز' درگا سنگھ کو دیکھنے کے لئے بے چین ہو گیا۔

شاید شہباز کی لگن سچی تھی۔ دس دن بعد ہی "سندھ ہارس" کی ایک تقریب تھی۔ سال گرہ منائی جا رہی تھی۔ جب تک ذکاخیل کے کئی لوگوں نے درگا سنگھ کی گھڑسواری کے قصے دور دور تک مشہور کر دیے تھے۔ شہباز یہ قصے سن کر درگا سنگھ کو دیکھنے کے لئے اور بھی بے چین ہو گیا تھا۔

یوم سال گرہ پر رسالہ پلٹن میں بڑی سرگرمی تھی۔ میدان صاف کر دیا گیا تھا اور چونے سے لکیریں کھنچوا دی گئی تھیں۔ ایک طرف رنگ برنگے شامیانے تنے تھے۔ کرسیوں پر افسران اور ان کے اہل و عیال کو بیٹھنا تھا۔ سب سے پہلے میجر کاکرن نے اسٹیج

پر آکر کرنل ہائیڈ فروسٹ کا خیر مقدم کیا اور شروعات کرنے کی اجازت چاہی۔

اجازت ملنے کے بعد سوار بھڑکیلی وردیاں زیب تن کئے میدان میں اترے۔ زمین میں گڑے کیلوں کو نیزوں سے اکھاڑ کر وہ اپنے گھوڑوں پر آندھی کی طرح بھاگنے لگے۔

میجر کاکرن جب گھوڑے پر سوار ہو کر دوڑا تو اس نے دو کیلے اکھاڑے' ایک نیزے سے اور دوسرا پھرتی کے ساتھ نیام میں سے نکالی ہوئی تلوار سے۔ سارا میدان دیر تک تالیوں سے گونجتا رہا۔

لوگوں کے ہجوم میں چادر اوڑھے شہباز اور اسلم بھی یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ فرید اِدھر اُدھر درگا سنگھ کو ڈھونڈ رہا تھا۔

میجر کاکرن کے بعد رسالے کے لیفٹیننٹ میتھرس نے دوڑتے ہوئے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ہوا میں پھینکی ہوئی کانچ کی بوتلوں کو گولیوں سے اڑا دیا۔ شہباز نے بھی اسے سر ہلا کر داد دی۔ آخر میں درگا سنگھ کا کرتب رکھا گیا تھا۔ دور سے درگا سنگھ گھوڑے پر ایک بت سا لگ رہا تھا۔ فرید نے شہباز کے کان میں سرگوشی کی۔ "یہی ہے دفعدار درگا سنگھ! کہتے ہیں آس پاس ایسا کوئی گھڑسوار نظر نہیں آتا جو اس کا مقابلہ کر سکے۔"

شہباز نے دم بہ خود ہو کر درگا سنگھ کی طرف دیکھا۔

زمین پر پیتل کا ایک کٹورا رکھ دیا گیا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر تاش کا ایک پتا پڑا تھا۔ درگا سنگھ "جے درگا مائی" کا نعرہ مارتا ہوا جھپٹا۔ پلک جھپکتے میں اس نے گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے تلوار کو نیام سے کھینچا اور جھک کر ایک ہی وار میں کٹورے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ آگے بڑھتے ہی اس نے گھوڑے کی پیٹھ سے بہت نیچے جھک کر تلوار کی نوک سے تاش کا پتا چھید ڈالا اور سامنے سے گزر گیا۔

"آفرین!" شہباز نے بے اختیار داد دی۔ "کیا شیر کا بچہ ہے!" اسی کے ساتھ شہباز کا ہاتھ اٹھا اور اس نے درگا سنگھ کو سلام کیا۔

درگا سنگھ پلٹ کر پھر لائن پر آ گیا۔ اس بار اس کے ہاتھ میں ایک رائفل تھی۔ گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کے آگے ایک بوتل اچھالی گئی اور دوسری بوتل پیچھے۔ درگا سنگھ نے پہلے آگے والی بوتل اور پھر مڑ کر تیزی سے پیچھے والی بوتل کو گولی سے اڑا دیا۔

تالیوں کے شور سے پنڈال گونج اٹھا۔ شہباز مسکراتا ہوا درگا سنگھ کو گھورتا رہا۔

تقریب ختم ہونے پر شہباز کی زبان پر درگا سنگھ ہی کا نام تھا۔ وہ سر ہلا ہلا کر کہتا رہا۔ "فرید' کاش مجھے بھی درگا سنگھ کا فن آتا!"

کوئی دس دن بعد سدھی گاؤں میں میلہ اور ہاٹ لگی تھی۔ یہ گاؤں' پانچ نمبر چوکی کے قریب ہی تھا۔ درگا سنگھ اپنے گھوڑے پر اپنے ایک سوار بھیروں سنگھ کے ساتھ یہ میلہ دیکھنے آیا تھا۔ چاروں طرف پُر مسرت رنگین ماحول تھا۔ تبھی اپنے آٹھ ساتھیوں کے ہمراہ شہباز کا اِدھر سے گزر ہوا۔

"سردار! دیکھو یہ وہی کافر دفعدار ہے۔" اسلم نے شہباز کو اس طرف متوجہ کیا۔

شہباز نے پلٹ کر دیکھا۔ آج درگا سنگھ پر قریب سے اس کی نظر پڑی تھی۔ تپے تانبے کے رنگ کا درگا سنگھ' شہباز کو متاثر کر رہا تھا۔ چوڑا سینہ اور کسا ہوا جسم ایک عجیب سا کھنچاؤ تھا درگا سنگھ میں!

تب چٹان جیسا مضبوط اسلم بولا۔ "سردار! دو دو ہاتھ ہو جائیں اس شہسوار سے!"

شہباز نے مسکرا کر کہا۔ "جاؤ' بات چھیڑو!"

اسلم اجازت پانے کے بعد کسی بن مانس کی طرح جھومتا ہوا درگا سنگھ لی طرف چل دیا۔ اس کی بانہیں لٹکے ہوئے رسے جیسی تھیں۔ ابھی گزشتہ ماہ اس نے اپنے گھوڑے کے راتب کو ایک لاوارث گدھے کی خوراک بنتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اسلم نے غصے میں گدھے کی پسلیوں میں ایک بھرپور لات ماری تھی۔ دوسرے ہی لمحے گدھا زمین پر گر کر تڑپنے لگا تھا اور پھر اس نے دم توڑ دیا تھا۔ دیکھنے میں وہ ایک دیو ہی لگتا تھا۔

"السلام علیکم!" اسلم نے درگا سنگھ کے گھوڑے کے آگے آ کر کہا۔ "سوار! تمہارا بدن دیکھ کر لگتا ہے کہ ہندوستان میں بھی جوان رہتے ہیں۔ بولو' ہم سے زور آزمائی کرو گے؟"

درگا سنگھ نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ہندوستان میں تم سے بھی سوا جوان رہتے ہیں دوست! میں سوار ہوں' کوئی پہلوان نہیں ہوں۔ ہاں گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے میں تم سے جیسا چاہو لڑ سکتا ہوں۔"

اسلم تذبذب میں پڑ گیا۔ اسی دم شہباز آگے بڑھ کر بولا۔ "دفعدار صاحب! ہمارا اسلم گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے آپ سے پنجہ لڑائے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" درگا سنگھ نے کہا۔

اسلم اپنے پہاڑ جیسے گھوڑے پر سوار ہو کر درگا سنگھ کے روبہ رو آگیا۔

درگا سنگھ کی کلائی اور پنجہ پیتل کے کٹورے کو وزنی تلوار سے کاٹنے کے عادی ہو گئے تھے۔ اس کی کلائی میں بجلی بھری ہوئی تھی جبکہ اسلم کی کلائی اس کے چٹان جیسے جسم کا ایک عضو تھی۔ درگا سنگھ کی طاقت کا راز اس کی پھرتی تھی۔ دیر تک گتھم گتھا ہونے کا موقع تیزی سے دوڑانے والے گھوڑے پر کہاں مل سکتا تھا! اس لئے اسے اپنی تمام تر طاقت کو مجتمع کرکے اپنی کلائی میں لانا تھا اور چشم زدن میں پھرتی سے کام کر جانا تھا۔ اسلم اس دھوکے میں تھا کہ پہلے پنجہ انگلیوں میں پھنسے گا اور پھر طاقت کا مظاہرہ ہوگا۔

دونوں گھوڑے مقابل آئے۔ پھر جیسے ہی اسلم نے دانت پیستے ہوئے اپنا فولادی پنجہ درگا سنگھ کی طرف بڑھایا' اس نے آناً فاناً بڑی پھرتی سے اسلم کا پنجہ اتنے زور سے دبایا کہ اسلم درد سے بلبلا اٹھا اور گھوڑے سے گر پڑا۔

فرید یہ دیکھ کر سٹپٹا گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اسلم کو زمین سے اٹھایا تو دیکھا کہ اس کی دو انگلیاں اتر گئی ہیں اور وہ درد سے کراہ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر شہباز کے ساتھیوں نے درگا سنگھ کو گھیر لیا۔

"خبردار!" شہباز نے اپنے ساتھیوں کو ڈانٹا۔ "کوئی بھی اس ہندو دفعدار پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا! ایمان داری کی لڑائی تھی اور یہ ایمان داری ہی سے جیتا ہے۔ پہلے سے اگر پنجہ کشی کی شرائط طے کر لی جاتیں تو شاید ایسا نہ ہوتا۔" پھر شہباز نے درگا سنگھ کی طرف تجسس بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "دوست! ہم اُرک زئی قبیلے کے لوگ' ایک بہادر کی عظمت کو جانتے ہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی میدان میں ملیں گے۔ اگر میدان میں بھی تم نے بہادری دکھائی تو تمہیں ہم منہ مانگا انعام دینے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں۔"

پھر شہباز اپنے ساتھیوں کو لے کر دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ میں غائب ہو گیا۔

تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ پانچ نمبر چوکی پر مخبر نے درگا سنگھ کو خبر دی کہ شہباز درے کے پاس خچروں پر لدا خزانہ اور بندوقوں کے کارتوسوں کی پیٹیاں لوٹ لے گیا ہے اور سواروں کو مار کاٹ ڈالا ہے۔ کچھ سوار بھاگ آئے ہیں۔

شہباز کے گروہ کے تقریباً پینتیس افراد درے سے نکل چکے تھے۔ اس وقت درگا

سنگھ کے پاس صرف سات سوار تھے۔ وہ فوراً ہی ان ساتوں کو لے کر مخبر کے ساتھ چل پڑا۔ تقریباً پندرہ سنگلاخ نشیب و فراز طے کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس کے دو ساتھیوں کے گھوڑوں نے تو جواب دے دیا۔ درگا سنگھ باقی ماندہ پانچ سواروں کو لے کر آگے بڑھتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں اسے شہباز کا گروہ خچروں سمیت جاتا ہوا دکھائی دے گیا۔ خچروں کی وجہ سے وہ سست رفتاری پر مجبور تھے ورنہ درگا سنگھ ان کی گرد بھی نہ پا سکتا۔

"دفعدار صاحب!" مخبر نے درگا سنگھ کو مخاطب کیا۔ "آپ کے پانچ جوانوں کو شہباز کے ساتھی' گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالیں گے۔ آج آپ کے پاس بندوق بھی نہیں ہے۔ تلوار اور نیزے کی لڑائی بھی آپ اس قدر کم نفری کے ساتھ نہیں لڑ سکیں گے۔ میرا کہا مانیں تو یہیں سے لوٹ چلیں۔ یہ بہادری نہیں خودکشی ہے جو آپ کرنے جا رہے ہیں۔"

درگا سنگھ برافروختہ ہو کر بولا۔ "نسیم میاں! ہم نے راجپوتوں کا دودھ پیا ہے۔ تمہیں اگر جان اتنی ہی پیاری ہے تو تم یہیں رک کر راجپوتوں کی تلوار کی جھنکار سننا۔ تمہارا کام مخبری کرنا ہے اور ہمارا کام نبرد آزما ہونا۔"

درگا سنگھ کے پانچوں گھڑسواروں کی ٹاپوں کی آواز سن کر پہلے تو شہباز چونکا کہ کہیں بڑے رسالے کا حملہ تو نہیں ہو رہا ہے! مگر جب اس نے درگا سنگھ اور اس کے ہمراہ پانچ سوار دیکھے تو ہنس کر بولا۔ "یہ تو ہمارا بانکا دفعدار ہے اور وہ بھی پانچ سواروں کے ساتھ!"

اسی کے ساتھ اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ "دشمن پر کوئی گولی نہیں چلائے گا۔ دشمن جس ہتھیار سے لڑے گا ہم بھی وہی استعمال کریں گے۔ ان کے پاس بندوقیں نہیں ہیں اس لئے یہ لڑائی بندوقوں سے نہیں ہوگی۔ یہ بہادری کے خلاف بات ہوگی کہ اتنی کم تعداد میں ہونے کے باوجود ہم دشمن کو گولیوں سے بھون دیں۔"

اگر شہباز خان یہ حکم اپنے ساتھیوں کو نہ دیتا تو درگا سنگھ اور اس کے پانچوں سواروں کو بھون دینا کوئی مشکل نہیں تھا۔

درگا سنگھ ذرا فاصلے پر آکر رک گیا اور للکارا۔ "شہباز خان! میں سرکار کی طرف سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ دسوں سرکاری خچر ہمارے حوالے کر دو ورنہ تمہارا انجام بہت برا ہوگا۔"

"برا انجام!" یہ کہہ کر شہباز زور سے ہنس پڑا' اتنی زور سے کہ اس کی آنکھوں سے پانی نکل پڑا۔

درگا سنگھ اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "اچھا تو پھر دیکھو انجام!" پھر یہ کہتے ہوئے وہ پانچوں سواروں سمیت تیزی سے واپس مڑ گیا۔

"بھاگ گیا' انجام دکھا رہا تھا!" فرید نے ہنس کر کہا۔

کوئی دو سو گز کی دوری سے درگا سنگھ نے گھوڑوں کو واپس موڑا اور رسالے کے حملے کی ترتیب سے گھوڑے کھڑے کر دیئے۔ پھر "چارج" چیختا ہوا درگا سنگھ اپنے پانچوں سواروں سمیت شہباز کے گروہ پر قلب میں حملہ آور ہوا۔ پاس آ کر درگا سنگھ "جے درگا مائی" چلایا اور پھر خود بھی قہر کی اس دیوی کا روپ بن گیا۔ پہلے وار میں اس نے فرید کا دایاں کندھا برچھا مار کر بے کار کر دیا' پھر برچھا چھوڑ کر تلوار سونت لی۔ اسلم کی تلوار کا ہاتھ ایک پتھر کے مانند پڑا۔ درگا سنگھ نے اس وار کو اپنی تلوار پر روکا اور پھر بجلی کی طرح اس کی تلوار اسلم کے پیٹ کے آر پار ہو گئی۔

اسلم کو گھوڑے سے گرتا دیکھ کر شہباز' درگا سنگھ پر جھپٹا۔ تلواروں کی جھنکار میں موت کی صدا سنائی دینے لگی۔ درگا سنگھ نے بڑی پھرتی سے شہباز کے بائیں کندھے پر وار کیا۔ خون کا ایک فوارہ سا کندھے سے پھوٹ پڑا۔ اسی دم وحید نے تاک کر دائیں طرف سے درگا سنگھ پر برچھے کا وار کیا۔ برچھا درگا سنگھ کے سینے میں دھنس گیا۔

کوئی پندرہ منٹ کی لڑائی میں شہباز کے سات ساتھی مارے گئے اور دس شدید زخمی ہو گئے۔ شہباز خود اپنا بایاں کندھا لٹکائے حیرت کے عالم میں سب کچھ دیکھتا رہا۔ درگا سنگھ مع اپنے پانچوں ساتھیوں کے خون میں لت پت زمین پر آخری سانسیں گن رہا تھا۔

شہباز اپنے کندھے کے زخم کو دائیں ہاتھ سے دبائے درگا سنگھ کے قریب آ کر بولا۔ "شاباش بہادر! تمہاری دلیری ہمارے قبیلے کو یاد رہے گی۔" پھر شہباز نے اپنے ایک ساتھی کو مخاطب کیا۔ "عارف! لال ریشمی دھاگے کی گچھی لانا۔ اس بہادر کی کلائی پر لال ریشمی دھاگا باندھا جائے گا۔ آج اس دھاگے کو باندھنے کے قابل ایک شخص ملا ہے۔" شہباز نے مرتے ہوئے درگا سنگھ کی کلائی پر لال دھاگا باندھ دیا اور کہا۔ "بہادر دفعدار! ہم صرف ایک بہادر ہی کی کلائی پر یہ دھاگا باندھتے ہیں۔ تمہاری لاش پورے احترام کے ساتھ

تمہاری چوکی پر بھیج دی جائے گی۔"

درگا سنگھ دھیمی آواز میں بولا۔ "سردار شہباز سرباز! آپ کو یاد ہے کہ جب آپ نے سدھی کے میلے میں کہا تھا کہ آپ لوگ بہادر دشمن کو انعام سے بھی نوازتے ہیں۔ میں بھی آپ سے انعام مانگنا چاہتا ہوں کہ خود کو اس انعام کا حق دار سمجھتا ہوں۔ بولیں سردار' مجھے انعام دیں گے؟"

"ہاں درگا سنگھ' میں نے یہ کہا تھا۔" شہباز نے اعتراف کیا۔ "بولو' اپنی بہادری کا کیا انعام چاہتے ہو؟ تمہیں مرتے وقت مایوس نہیں کیا جائے گا۔"

درگا سنگھ بولا۔ "یہ دسوں خچر میری چوکی پر لوٹا دینا۔" یہ کہتے ہی درگا سنگھ پر نزع کا عالم طاری ہو گیا اور پھر ذرا ہی دیر بعد وہ مر گیا۔

شہباز نے درگا سنگھ کے کچھ بال تیز دھار خنجر سے کاٹے اور اپنی جیب میں رکھ لئے۔ وہ بڑبڑایا۔ "اے بہادر درگا سنگھ! تمہاری یادگار میرے پاس ہمیشہ رہے گی کہ تم میرے بہت پیارے دوست اسلم کے قاتل ہو۔"

دوسرے دن پانچ نمبر چوکی پر دسوں خچر واپس پہنچ گئے۔ دسویں خچر پر درگا سنگھ کی لاش رکھی تھی جو ایک سفید چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ میجر کاکرن نے چادر ہٹائی تو دیکھا کہ مقتول درگا سنگھ کی دائیں کلائی پر لال ریشمی دھاگا بندھا ہوا تھا۔

میجر کاکرن کو پٹھانوں کی اس روایت کا علم تھا کہ وہ بہادر دشمن کی کلائی پر لال ریشمی دھاگا باندھتے ہیں اور اس کے مرنے سے پہلے اسے انعام سے نوازتے ہیں۔ خزانے کے خچر اس بات کا ثبوت تھے۔ میجر کاکرن نے اپنا ہیٹ اتار کر درگا سنگھ کی لاش کو سیلوٹ کیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر درگا سنگھ کی لاش پر گر رہے تھے۔ اسے اپنے اس بہادر دفعدار کے قتل کا بہت رنج ہوا تھا۔

☆-----☆======☆

شہباز کا بایاں کندھا خاصا زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے گروہ کا اتنا بڑا نقصان پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اسلم مر چکا تھا۔ چھ اور پرانے تجربہ کار ساتھی مارے گئے تھے۔

"وحید!" شہباز نے اپنے ایک ساتھی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "تم اگر دفعدار کے سینے میں برچھا نہ اتار دیتے تو وہ یقیناً مجھ پر غالب آ جاتا۔ تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں؟"

مگر وحید' تم نے بے خبر دشمن ہی کو برچھا مارا۔ یہ بہادری کی بات بہرحال نہیں کیوں کہ اس وقت وہ مجھ سے الجھا ہوا تھا۔ پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرتے تو شاید آج شہباز خان بھی زندہ نہ ہوتا۔ دفعدار درگا سنگھ کی صورت میرے دل پر نقش ہو گئی ہے۔ میں زندگی بھر اس بہادر کو نہیں بھول پاؤں گا اور ہاں تمہارا احسان بھی تاحیات یاد رکھوں گا۔"

وحید خان سر جھکا کر بولا۔ "سردار! آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ اس کافر کو للکار کر نہ مارنا شرم ناک فعل ہی کہا جائے گا کیوں کہ وہ اس وقت آپ سے دو دو ہاتھ کر رہا تھا اور پوری طرح آپ ہی کی طرف متوجہ تھا مگر اپنے سردار کی زندگی بچانا میرا بھی اولین فرض تھا۔ پھر محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

شہباز نے سر ہلا کر کہا۔ "تم بجا کہہ رہے ہو وحید! میں ہمیشہ تمہارا ممنون و مقروض رہوں گا۔"

وحید خان نے جب اپنے بیٹے کو خون میں لت پت دیکھا تو وہ ایک لمحے کو ششدر رہ گیا پھر شہباز نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔

شہباز کے قریب آ کر طُرے خان بڑے محبت آمیز لہجے میں بولا۔ "مجھے تم پر ناز ہے شہباز کہ تم نے ایک بہادر دشمن کی عزت افزائی کی۔ تمہارا جو یہ خون بہا ہے' وہ رنگ لائے گا بیٹے! خون بہادر کا زیور ہوتا ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے کہ میرا بیٹا شہباز خان قدرت کا عطا کردہ زیور پہن کر میرے روبہ رو آیا ہے۔" پھر طُرے خان نے شہباز کی پیشانی چوم لی۔

فوراً ہی حکیم کو بلوا لیا گیا جو جراحت سے بھی واقف تھا۔ اس نے زخم دھو کر مرہم پٹی شروع کی۔

شہباز کے زخمی ہونے کی خبر یوسف زئی قبیلے میں بھی پہنچ گئی۔ سردار گلاب خان نے آنگن میں حقہ پیتے ہوئے گلفام سے کہا۔ "بیٹے گلفام! سنتے ہیں' طُرے خان کا بیٹا شہباز خان سرکاری رسالے کے ساتھ جھڑپ میں زخمی ہو گیا ہے۔ میرا منشا ہے کہ تم اسے دیکھ آؤ۔"

مہ جبیں نے جب یہ سنا کہ اس کا محبوب زخمی ہو گیا ہے تو دھک سے رہ گئی۔ اس کے آنکھوں کے کٹورے بھر گئے مگر چھلک نہیں پائے۔ وہ اپنے آنسو تو پی گئی مگر دل میں

اٹھنے والے طوفان کو نہ دبا سکی۔ شہباز کو خود دیکھنے کے لئے وہ تڑپنے سی لگی مگر حیا کی زنجیر کو نہ توڑ سکی۔ وہ بھلا اپنے گھر والوں سے یہ کس طرح کہہ سکتی تھی کہ میں شہباز خان کو دیکھنے جاؤں گی۔

جب گلفام چلنے کے لئے تیار ہوا تب مہ جبیں نے دھیمی آواز میں اس سے کہا۔ "بھائی! میرا سلام بھی ان سے کہہ دیجئے گا۔ ان کی سلامتی کے لئے میں آج سے پانچوں وقت کی نماز ادا کیا کروں گی۔"

گلفام نے اپنی بہن کے تھرتھراتے ہونٹوں پر خاموش محبت کی فریاد مچلتے دیکھی۔ وہ بھی اپنے سینے میں دل رکھتا تھا۔ اس نے مہ جبیں کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی دی۔ "حوصلہ رکھو مہ جبیں! اگر تمہاری محبت پاک ہوئی تو شہباز خان کی زندگی پر وہ ڈھال کی طرح چھائی رہے گی۔"

مہ جبیں کی آنکھوں سے دو موتی ٹپکے اور زمین پر گر کر بکھر گئے۔

گلفام بولا۔ "میں شہباز کو یہ بھی بتا دوں گا مہ جبیں کہ تم نے اس کی خیریت کے لئے دو آنسو بھی نذر کیے ہیں۔"

پھر گلفام گھوڑے پر بیٹھ کر چل دیا۔ جب وہ اُرک زئی قبیلے کی بستی میں شہباز خان کے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا' شہباز کندھے پر پٹی باندھے پیڑ کے نیچے بیٹھا تھا۔

"السلام علیکم گلفام بھائی! خیریت تو ہے؟" شہباز نے گلفام کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

گلفام گھوڑے سے اترتے ہوئے بولا۔ "وعلیکم السلام سردار! آپ نے میرا سوال چرا لیا۔"

شہباز ہنسا اور اٹھ کر گلفام سے ہاتھ ملایا۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟" گلفام نے سوال کیا۔

"یہ چوٹ نہیں ہے گلفام!" شہباز بولا۔ "یہ تو ایک بہادر دشمن کی نشانی ہے جو مرتے دم تک میرے پاس رہے گی۔ اس کی صورت اور کارنامے مجھے اپنے بچپن کی طرح یاد رہیں گے۔ ہار جیت تو زندگی کے دو انمول موسم ہیں گلفام! اصل چیز تو یہ ہے کہ ہار ہو یا جیت مگر وہ رہی کس ادا کے ساتھ! درگا سنگھ نے مر کر بھی مجھے جیت لیا اور میں زندہ رہ

کر بھی اس سے ہار گیا۔ اگر اس کی جیسی ہمت اور دلیری رکھنے والے پانچ ساتھی بھی ہوں تو وہ پچاس پر بھی بھاری ہوں گے۔"

کلفام نے غور سے شہباز کی طرف دیکھا اور کہا۔ "سردار شہباز خان! مجھے ناز ہے کہ ایک ایسے دوست کے سامنے کھڑا ہوں جو بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ کردار کا بھی مالک ہے۔ دشمن کی بہادری کو پرکھنے والے جوہری آج بہت کم رہ گئے ہیں۔" پھر کلفام نے شہباز کا دایاں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس کے چہرے پر محبت و عقیدت کے تاثرات تھے۔

قریب ہی بیٹھے ہوئے مبارک خان سے شہباز نے کہا۔ "مبارک! اندر جا کر امی سے کہہ دو کہ ہمارے دوست کلفام خان آئے ہیں' کچھ کھانے پینے کا انتظام کر دیں۔"

مبارک کے اٹھتے ہی کلفام نے سر جھکا کر آہستہ سے شہباز کو مخاطب کیا۔ "تمہارے زخمی ہونے کی خبر بابا جان نے سنائی اور تاکید بھی کی کہ جا کر خیریت پوچھی جائے۔ اس کے علاوہ چلتے وقت مہ جبیں بھی بہت پریشان تھی۔ اس کی عصمت تم نے بچائی تھی شہباز خان! اس کے علاوہ خود میری زندگی بھی تمہارے پاس رہن رکھی ہے۔"

"ایسا مت کہو کلفام!" شہباز بولا۔ "ورنہ دنیا والے انسانیت اور احسان کو بھی فروخت کرنا شروع کر دیں گے۔ فرض کو احسان کا جامہ پہنانا فقط شرافت کا تقاضا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ادائیگی فرض انسان کی فطرت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔"

جواب میں کلفام نے کہا۔ "احسان کو انسانی فرض ماننے والے بندے اب بہت کم رہ گئے ہیں۔ تم جیسے جو دو چار بندے آج نظر آتے ہیں تو وہ قدرت کا انعام ہیں۔"

شہباز نے کلفام کو گلے لگا لیا۔

"مہ جبیں نے چلتے وقت تمہیں دو آنسوؤں کا نذرانہ بھی دیا تھا۔" کلفام نے بتایا۔ "شہباز خان! ہمدردی کی اولاد محبت ہوتی ہے۔ ہمارے بزرگ بھی یہی کہتے آئے ہیں۔"

"مہ جبیں کے اس خراج کو میں تہہ دل سے قبول کرتا ہوں۔" شہباز نے کہا۔ "ان سے میرا سلام کہنا کلفام! یہ بھی کہنا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں اور بالکل ٹھیک ہونے کے بعد ایک دن اپنے چچا جان سردار گلاب خان کی خدمت میں خود سلام کرنے حاضر ہوں گا۔"

مبارک لوٹ کر آیا تو دونوں کو اندر بلا لے گیا۔ کباب اور باقر خانی روٹی سامنے رکھی تھی۔ گلاب کے شربت کی صراحی بغل میں تھی۔

کلفام کھا پی کر فارغ ہی ہوا تھا کہ شہباز کا باپ سردار طُرے خان اندر داخل ہوا۔ سلام دعا کے بعد طُرے خان نے کلفام سے قبیلے کی خیریت پوچھی اور بولا۔ "بیٹے کلفام! تمہارے دوست شہباز خان کو میں نے اپنی پگڑی دے دی ہے' یہ تو تمہارے والد کو پتا لگ ہی گیا ہو گا۔ اب میں بوڑھا ہو چلا ہوں۔ بڑھاپے کا آنا خدا کے بندے کو یاد دلاتا ہے کہ اب کچھ وقت عبادت میں گزارے۔"

کلفام نے کہا۔ "مگر چچا جان' بزرگوں کا سر پر سایہ خدا کی رحمت ہے۔ شہباز خان کو آپ کے تجربے' آپ کی صلاح اور آپ کی دعاؤں' سبھی کی ضرورت ہے۔ یہی سب ان کی زندگی سنواریں گے۔"

سردار طُرے خان یہ سن کر بہت خوش ہوا اور بولا۔ "تمہارے اظہار عقیدت اور عزت افزائی سے احساس ہوتا ہے بیٹے کہ تمہارے اندر تمہارے باپ سردار گلاب خان جیسے جاں باز یوسف زئی کا خون بول رہا ہے۔"

پھر طُرے خان اندر گھر میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر مزید بیٹھ کر کلفام نے رخصت کی اجازت چاہی۔ شہباز اسے چھوڑنے گھر کے باہر تک گیا اور ہاتھ ملاتے وقت کہا۔ "چچا جان کو میرا سلام کہنا۔ مہ جبیں کو تسلی دینا کہ میں ٹھیک ہوں۔ ان سے یہ بھی کہنا کہ ان کا خیال میرے لئے حفاظت کی ایک زرہ بکتر ہے۔ جب تک ان کا خیال میری طرف رہے گا' کسی بھی دشمن کی تلوار یا گولی میری جان نہیں لے سکے گی۔"

پھر کلفام گھوڑے پر بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ شہباز دیر تک کلفام کے دوڑتے ہوئے گھوڑے کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ اسے مہ جبیں کا چاند سا مکھڑا آسمان پر نظر آیا۔ وہ مسکرانے لگا۔

"مہ جبیں' تمہاری آنکھوں میں میرے لئے آنسو آئے تھے۔" شہباز بڑبڑانے لگا۔ "میں ان دو آنسوؤں کی قیمت ضرور ادا کروں گا۔"

☆=====☆=====☆

میجر کاکرن نے درگا سنگھ کی چتا کو آگ دکھاتے وقت اپنے پستول سے فائر کیا تھا۔ پھر

دانت پیستے ہوئے بولا تھا۔ "درگا سنگھ! تم ایک بے مثال بہادر تھے۔ مجھے خوشی یہ ہوئی کہ تمہاری بہادری کو دشمن نے بھی تسلیم کیا۔ میں اس شہباز سے تمہارا بدلہ لوں گا۔ میں اس شہباز عرف سرباز کو پکڑوں گا' زندہ یا مردہ! اس شہباز کو میدان میں گرفتار کروں گا۔" یہ کہتے ہوئے میجر کاکرن نے اپنے پستول کو چوم لیا۔

رات کو آفیسرز میس میں میجر کاکرن جام پر جام چڑھائے جا رہا تھا۔ بار بار وہ نشے کے باوجود درگا سنگھ اور شہباز ہی کے نام لئے جا رہا تھا۔ سات آٹھ پیگ پینے کے بعد کاکرن کو نشہ چڑھ گیا تھا۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور بولا۔ "میں اپنے کندھے پر لگے اس تاج کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں شہباز سرباز کو یا تو زندہ گرفتار کروں گا یا پھر اسے میدان میں ماروں گا۔ وہ مجھ سے بچ نہیں سکتا۔"

کچھ افسران نے اسے سنبھالا۔ ان افسروں میں کیپٹن جیمس بھی تھا۔ میجر کاکرن کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بولا۔ "میجر کاکرن! کیا آپ نے شہباز سرباز کو کبھی دیکھا ہے؟"

کاکرن نے چونک کر کہا۔ "نہیں' مگر جلد ہی دیکھ لوں گا۔"

کیپٹن جیمس ہنس کر بولا۔ "آپ کا دفعدار درگا سنگھ ایک بہادر لڑاکا تھا' یہ میں تسلیم کرتا ہوں مگر شہباز بھی بہادری کا منجھا ہوا جوہری ہے۔ اس نے دسوں خچر اور دفعدار کی لاش اسی لئے واپس کی تھی شاید! میں نے شہباز کو دیکھا ہے' اس سے ہاتھ ملایا ہے' باتیں کی ہیں۔ یقین مانئے' شہباز خان سرباز ایک بہادر لڑاکا ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شریف النفس انسان بھی ہے۔" کاکرن نے نشے کی جھونک میں اسے گھور کر دیکھا۔ کیپٹن جیمس آنکھیں جھپک کر مسکرایا اور کہا۔ "یس سر! شہباز ایک بہترین انسان بھی ہے۔ وہ طرح طرح سے وار کرتا ہے' ہتھیاروں سے بھی اور شرافت سے بھی! میرا تجربہ ہے کہ اس کی شرافت کا وار گہرا چرکا لگاتا ہے۔"

کاکرن سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں یہ دیکھوں گا جیمس! سب دیکھ لوں گا۔"

دوسرے دن' آفیسرز میس میں ہونے والی گفتگو سارے پشاور میں پھیل گئی۔

میس سے جبر خان اسی دن چھٹی لے کر گیا تھا۔ اس نے شہباز کو میجر کاکرن کے عہد

کے بارے میں بتایا۔

"معلوم ہوتا ہے اس مرتبہ ہندوستان سے واقعی بہادروں کا رسالہ آیا ہے۔" شہباز ساری بات سن کر بولا۔ "جبر خان چچا! میں ٹھیک ہو جاؤں تو مجھے ایک بار کاکرن کو ضرور دکھانا! کم از کم اپنے اس عزیز دشمن کی شکل و صورت تو دل میں اتر ہی جانا چاہئے۔"

پھر بیس دن کے بعد جب شہباز خان تقریباً بھلا چنگا ہو گیا۔ اسے اب دو وعدے وفا کرنے تھے۔ ایک تو اسے صحت مند ہو کر اپنی محبوبہ مہ جبیں کے پاس جانا تھا' دوسرے جبر خان کے پاس جا کر میجر کاکرن کو دیکھنا تھا۔

پہلے شہباز' میجر کاکرن کو دیکھنے کا آرزو مند تھا۔ دوسرے ہی روز اس نے جبر خان کو خبر بھجوا دی۔ پھر جبر خان' شہباز کو میس کے خانساماں کے بھیس میں لے گیا تھا۔ شام کو جب دور پر دور چل رہے تھے تو جبر خان نے میجر کاکرن کو دکھا دیا۔

میجر کاکرن دراز قد نوجوان تھا۔ اس کی بڑی بڑی بھوری مونچھیں اور گہری نیلی آنکھیں شہباز کو بھلی لگیں۔ کاکرن کی پیشانی پر چوٹ کا نشان تھا جس کے بارے میں سب افسر جانتے تھے کہ یہ چوٹ اسے نیزے سے چیتے کا شکار کرتے وقت لگی تھی۔ شہباز کو میجر کاکرن کی پیشانی پر زخم کا وہ نشان کہنہ زیور کی طرح لگا' بہادری کا زیور! زخم کا وہ ہلالی نشان میجر کے ماتھے پر واقعی زیور کی طرح سجا ہوا تھا۔

"بہادر دفعدار کا افسر بھی اسی کی طرح سجیلا لگتا ہے۔" شہباز نے اپنے دشمن کی تعریف کی۔ جبر خان اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ کسی دشمن کی تعریف اس نے پہلی مرتبہ شہباز خان کے منہ سے سنی تھی۔

کچھ ہی روز بعد جھنڈا میلہ لگا۔ پشاور کے نزدیک ایک ہندو فقیر سخی سرور کی یاد میں یہ میلہ لگتا تھا۔ ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس میلے میں شریک ہوتے تھے۔ کچھ نئے انگریز افسر بھی اپنی بیویوں کو ساتھ لے کر یہ میلہ دیکھنے آتے تھے۔ چاروں طرف ہاٹ کی دکانیں' رہٹ' چکر' پھل اور مٹھائی کی دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ شہباز سرباز بھی اپنے آٹھ ساتھیوں کے ہمراہ یہ میلہ دیکھنے آیا تھا۔ میلے سے لوٹتے وقت وہ اپنے ساتھیوں کو مٹھائی اور چاٹ کھلا رہا تھا کہ معاً میجر کاکرن اور اس کی بیوی اسے ایک طرف آتے دکھائی دیے۔

شہباز نے چاٹ کا پتا پھینک دیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر بڑی تیزی سے اس کی طرف

بڑھا اور انگریز جوڑے کو گھیر لیا۔ کاکرن کی کمر سے اس کا ریوالور لٹک رہا تھا۔ شہباز نے چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ اس کے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر اپنے قبضے میں لے لیا۔ میجر کاکرن اور اس کی بیوی سکتے میں رہ گئے۔ جو کچھ بھی ہوا تھا' ان کے لئے خلاف توقع تھا۔

"سلام صاحب!" شہباز نے میجر کاکرن کو مخاطب کیا۔ "مجھے خوب اچھی طرح پہچان لیجئے۔ میرا نام شہباز خان سرباز ہے۔ آپ نے یقیناً میرا نام سنا ہو گا۔" شہباز یہ کہہ کر مسکرانے لگا۔ اس کی نظریں میجر کے بدحواس چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

میجر کاکرن اس وقت نو مسلح پٹھانوں میں گھرا ہوا تھا اور غیر مسلح بھی کر دیا گیا تھا۔ اس کے سامنے اس وقت وہ شخص کھڑا تھا جسے ختم کرنے کا اس نے عہد کیا تھا۔ اس کی بیوی کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے سن رکھا تھا کہ سرحد کے پٹھان' انگریز عورتوں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں اور پھر بھاری تاوان وصول کرنے کے بعد ہی انہیں چھوڑتے ہیں۔ اس خیال سے اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔

شہباز نے میجر کاکرن کے ریوالور سے گولیاں نکال لیں۔ ریوالور بھرا ہوا تھا اور اس میں چھ گولیاں تھیں۔

"گھبرائیے مت صاحب!" شہباز نے خالی ریوالور' میجر کاکرن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں بہادروں کی قدر کرتا ہوں۔ آپ کا ماتحت درگا سنگھ بھی ایک قابل قدر بہادر تھا جس کی صورت ہمیشہ میرے دل پر نقش رہے گی۔ سنا ہے آپ بھی بہادر ہیں۔ آپ کو شہباز سرباز کے مردہ یا زندہ پانے کی بڑی تمنا ہے۔ آپ کو بہادر سمجھ کر ہی میں آپ کا ہتھیار واپس کر رہا ہوں مگر اس کی چھ گولیاں رکھ لی ہیں۔ میں چاہوں تو اسی وقت آپ کو ٹھنڈا کر سکتا ہوں مگر میرے نزدیک یہ فعل بزدلی ہو گا کیوں کہ آپ بے بس ہیں۔ اس وقت آپ اپنی مدافعت نہیں کر سکتے۔ پھر یہ کہ آپ کی بیگم بھی ساتھ ہیں۔ عورتوں کے سامنے ان کے مردوں کو ذلیل و رسوا کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ انشاء اللہ جلد ہی کسی میدان میں آپ سے میرا معرکہ ہو گا۔ میں آپ کو' آپ ہی کی ان چھ گولیوں میں سے کسی ایک سے ماروں گا۔ خدا حافظ!"

پھر آناً فاناً شہباز نے میجر کاکرن کے ہاتھ میں اس کا ریوالور تھما دیا اور اپنے ساتھیوں سمیت ہجوم میں غائب ہو گیا۔

شہباز سرباز کے ہاتھوں میجر کاکرن کی یہ پہلی شکست تھی۔ شہباز نے اپنی برتری ظاہر کر دی تھی۔ شہباز اس پر غالب آنے کے باوجود اسے زندہ چھوڑ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیپٹن جیمس نے غلط نہیں کہا تھا' شہباز طرح طرح سے وار کرتا ہے۔ اس کا پہلا ہی وار بڑا بھرپور' کاری اور کامیاب رہا تھا۔ وہ اپنی بہادری کا عمل میجر کاکرن کے دل پر چھوڑ گیا تھا۔

"شہباز سرباز نے مجھے مقابلے کی دعوت دی ہے یوریٹا!" میجر کاکرن نے اپنی بیوی یوریٹا کی طرف دیکھ کر آہستہ سے بولا۔ "میں یہ دعوت قبول کرتا ہوں۔"

پھر میجر کاکرن اپنے دل میں ایک طوفان لئے میلے سے لوٹ آیا۔ اگلے ہی روز اس نے اپنے اسکواڈرن کے چیدہ سوار ساتھ لئے اور ایک دیوانے عاشق کی طرح شہباز کی تلاش میں درے کے آس پاس خاک چھاننے لگا۔

"شہباز سرباز!" وہ چیخ رہا تھا۔ "کہاں ہو تم؟ میجر کاکرن تم سے مقابلہ کرنے میدان میں آگیا ہے۔"

تیسرے دن میجر کاکرن کو اس کے مخبروں نے یہ خبر دی کہ شہباز اپنے ساتھیوں کو لے کر درے کے جنوب میں گھات لگائے بیٹھا ہے۔ شاید پلٹن کی رسد کے لئے خچروں کا قافلہ ادھر سے آنے والا تھا۔ یہ سنتے ہی میجر کاکرن نے اپنے تیس سواروں کے ساتھ ادھر کا رخ کر لیا۔

جب میجر کاکرن درے سے اتر رہا تھا تبھی شہباز کے نگہبانوں نے رائفل اٹھا کر شہباز کو آگاہ کر دیا۔ شہباز کے ساتھ اس وقت تقریباً بیس افراد تھے۔ اس نے فوراً ہی ٹکراؤ کا فیصلہ کر لیا۔ شہباز کا شانہ اب بھی دکھتا تھا مگر وہ بڑا جیالا تھا' اپنی جگہ جما رہا۔

میجر کاکرن کی ٹولی پر پہلا فائر افضل نے کیا۔ گولی ایک سوار کے گھوڑے کی اگلی ٹانگ پر لگی جس سے گھوڑا اور سوار دونوں ہی زمین پر آ رہے۔ میجر کاکرن ایک سلجھا ہوا فوجی تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنی ٹولی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور حلقہ بناتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

پھر کچھ ہی دیر میں گولیوں کی سنسناہٹ سے وادی گونجنے لگی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وادی میں موت کا نغمہ مچلنے لگا ہو۔ پھر میجر کاکرن کے رسالے کی ٹکڑی نے دھاوا بول دیا۔

اس زبردست معرکے میں شہباز خان کے چار ساتھی کام آئے۔ اس کا دوست

افضل اسی کے سامنے لڑکھڑا کر گرا اور پھر کبھی نہ اٹھ سکا۔ چاروں طرف سنگریزے اڑ رہے تھے۔ ماحول گرد آلود ہو جانے کی وجہ سے صاف دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔ شہباز نے جلدی سے اپنے دوست کی لاش کو گھوڑے پر ڈالا اور لمبی سیٹی بجائی۔ اس کے ساتھی اشارہ سمجھ گئے۔ شاید ان کا پلڑا بھاری نہیں تھا اس لئے سب کو چاروں طرف بکھر کر شیخ امام دین کے مزار کے پاس والے نالے پر ملنا تھا۔ گولیوں کی بوچھاڑ' ساون کی موسلا دھار بارش بن گئی۔ گھوڑں کی بھاگ دوڑ سے چاروں طرف سراسیمگی پھیلنے لگی۔ اسی دوران میں میجر کاکرن کو ایسا لگا جیسے اس کے بازو میں کسی نے برف کی طرح ٹھنڈی کوئی چیز گھسیڑ دی ہو۔ کاکرن سمجھ گیا کہ گولی نے اس کے بازو کی ہڈی کو توڑ دیا ہے۔ اس کے بازو پر لال رنگ کا ایک خاموش سوتا سا پھوٹ پڑا۔ خون بڑی تیزی سے بہنے لگا اور اسی دم اس کا گھوڑا بھی بدک اٹھا۔

نڈھال سے کاکرن کو لے کر گھوڑا نہ جانے کس طرف بھاگ رہا تھا۔ کاکرن نے چیخنے کی کوشش کی مگر اس کی آواز اتنی نحیف ہو گئی کہ وہ خود بھی اسے نہیں سن پا رہا تھا۔ کاکرن کو اب چکر سا آنے لگا تھا۔ اسے بس اتنا ہوش تھا کہ وہ پہاڑ کے نشیب میں ایک میدان میں جا رہا تھا۔ تبھی گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور کاکرن گھوڑے کی پشت سے نیچے گر گیا۔ اس کا سر ایک پیڑ کے تنے سے ٹکرایا۔ اسے ایک بڑا سا سیاہ سورج نظر آیا جو منہ پھاڑے اس کی طرف بڑھ رہا تھا جیسے نگل جائے گا۔ اس کے بعد اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کا گھوڑا نہ جانے کس طرف بھاگا جا رہا تھا۔

جب کاکرن نے آنکھ کھولی تو اسے ایسا لگا جیسے کوئی پانی پلا رہا ہو۔ اس نے ٹھیک محسوس کیا تھا۔ وہ کسی قبیلے کے نواحی کنوئیں کے پاس ہی گرا تھا۔ اسے پانی پلا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے والی مہربان چہرے والی ایک عورت تھی۔ اس کی زبان کاکرن نہیں سمجھ پایا تھا کیوں کہ وہ اردو نہیں بول رہی تھی۔ کاکرن نے درد سے بوجھل پلکوں کو اوپر اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ ایک بوڑھی عورت تھی مگر اس کے چہرے پر وقار نظر آ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ بڑی شفقت سے کاکرن کے سر پر حرکت کر رہا تھا۔ کاکرن کو یوں محسوس ہوا جیسے پاک مریم اسے پیار کر رہی ہو۔

وہ بوڑھی باوقار عورت' شہباز خان کی ماں صغرا خانم تھی۔

"تم زخمی ہو گئے ہو میرے بچے!" اس مرتبہ بوڑھی عورت نے اردو میں کاکرن کو مخاطب کیا۔ "چلو' میرے گھر چلو! تمہیں طبی امداد کی سخت ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر صغرا نے کاکرن کو سہارا دے کر بٹھایا اور پھر اسے لے کر اپنے گھر پہنچ گئی۔ میجر کاکرن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ نادانستگی میں اپنے دشمن کے گھر میں پہنچ چکا ہے۔

سب سے پہلے سردار طُرے خان نے اپنی بیوی کو ایک جوان آدمی کے ساتھ سہارا دیے آگے بڑھتے دیکھا تھا۔ اس نے فوراً اپنے دو آدمیوں کو صغرا کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ اس وقت صغرا اپنے گھر کے قریب پہنچ چکی تھی۔

"اسے حفاظت سے لے چلو!" صغرا نے ان دونوں آدمیوں سے کہا۔ "یہ زخمی ہے۔"

دونوں آدمیوں نے میجر کاکرن کو اٹھایا اور ان میں ایک بولا۔ "ای جان! یہ تو انگریز ہے۔"

"یہ ہمارے قبیلے کے مہمان ہیں' سمجھے!" صغرا کڑک کر بولی۔ "میں نے اسے پناہ دی ہے اور کسی زخمی کو پناہ دینا ہمارا دستور ہے۔"

دونوں پٹھان سہم گئے۔ کاکرن کو اٹھا کر وہ سردار طُرے خان کے پاس لے آئے۔ صغرا پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ طُرے خان نے اپنی بیوی صغرا سے گرجدار آواز میں پوچھا۔ "کون ہے یہ؟"

"کسی بوڑھی ماں کی گود کی امید ہے۔" صغرا نے جواب دیا۔ "اس وقت میں اس بچے کو اپنے قبیلے کے مہمان کی حیثیت سے یہاں لائی ہوں۔"

طُرے خان اپنی مونچھوں پر تاؤ دے کر بولا۔ "اگر یہ تمہارا مہمان ہے تو ہم سب کا مہمان ہے۔" اور پھر وہ ایک پٹھان سے کہنے لگا۔ "جاؤ جلدی سے حکیم صاحب کو بلا کر لاؤ۔ پانی گرم کراؤ بیگم' اس کے گولی لگی ہے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے پیڑ کے نیچے ایک بھگونے میں کھولتا ہوا پانی آ گیا۔ حکیم صاحب کے ساتھ جراح بھی اپنی جڑی بوٹیوں کا صندوقچہ لے کر آ گیا تھا۔ حکیم صاحب نے ایک دوا رومال میں مل کر کاکرن کو سنگھائی اور فوراً ہی اس پر تاروں بھری رات کے نظارے چھانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ قطعی بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ جراح کو کاکرن کے

بازو سے گولی نکالنے میں کوئی پندرہ منٹ لگے ہوں گے۔ مرہم پٹی کر کے ہاتھ باندھ دیا گیا۔ ہلدی‘ زعفران اور انگور کی دو آتشہ شراب ملا کر جب گرم گرم دودھ کاکرن کو پلایا گیا تو اس پر چھائی ہوئی غشی آہستہ آہستہ چھٹنے لگی۔ اسے امید کا جگنو نظر آیا جو سورج کی طرح ایک دم بڑھنے لگا۔ امید کا اجالا کاکرن کے سامنے آ گیا۔

پوری طرح ہوش میں آنے کے بعد کاکرن نے دیکھا کہ اس کے چاروں طرف کرخت چہروں والے پٹھان بیٹھے ہیں۔ شہباز کے بوڑھے باپ سردار طُرے خان نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور مسکرا کر بولا۔ ”ڈرو مت صاحب! تم ہمارے مہمان ہو‘ اس قبیلے کے سردار کی ماں کے مہمان ہو! تم اس قبیلے کے بوڑھے سردار کی بیوی کے مہمان ہو۔“

طُرے خان کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ سامنے سے دھول کا ایک بادل سا اٹھتا دکھائی دیا۔ سب اسی طرف دیکھنے لگے۔ سردار طُرے خان سمجھ گیا کہ اس کا بیٹا شہباز خان واپس آ رہا ہے۔ دھول کا بادل اب چھٹ گیا تھا۔ سب نے دیکھا کہ شہباز ایک لاش کو ایک گھوڑے پر رکھے ہوئے تھا۔ اس کے پیچھے دوسرے گھوڑوں پر شہباز کے ساتھی تھے۔ شہباز کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کے ساتھی اسلم اور فرید پہلے ہی مارے جا چکے تھے‘ آج افضل بھی ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ شہباز کو اسی لئے آج اکیلا پن سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بوجھل دل سے آ رہا تھا۔ لاش کو دیکھ کر سبھی دنگ رہ گئے۔ نہ جانے کس ماں کی گود آج سُونی ہو چکی تھی اور کس بہن کا بھائی مارا گیا تھا!

قریب آ کر جب شہباز نے وہاں میجر کاکرن کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے کندھے سے رائفل اتار کر کاکرن کی طرف سیدھی کر لی اور پھر وہ چلا کر بولا۔ ”اس دشمن کو قبیلے میں کون لایا ہے؟“

اس سے پہلے کہ سردار طُرے خان کوئی جواب دیتا‘ شہباز کی ماں گھر کی دہلیز پار کرتے ہوئے کڑک کر بولی۔ ”میں اسے قبیلے میں لے کر آئی ہوں۔ یہ اب ہمارا مہمان ہے اور ہماری پناہ میں ہے۔“

شہباز حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے اپنے باپ سے آنکھوں ہی آنکھوں میں تصدیق چاہی۔ طُرے خان نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ شہباز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے‘ بے بسی کے آنسو! اب وہ میجر کاکرن سے اپنے چار مقتول ساتھیوں کا انتقام نہیں لے سکتا تھا۔

کاکرن اب خود اسی کے گھر میں مہمان تھا۔ اس گھر میں اسے پناہ مل چکی تھی۔

”افضل اور بقیہ تین ساتھیوں کے دفنانے کی تیاری کرو!“ شہباز اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے بھاری آواز میں بولا۔ ”اس کے بعد آج رات کو دستور کے مطابق قبیلے کے مہمان کی دعوت ہو گی۔ یہ انگریز افسر ہمارا مہمان ہے۔“

شہباز کی ماں نے اپنے بیٹے کو بڑے فخر سے دیکھا اور پھر گھر کے اندر چلی گئی۔

میجر کاکرن نے جب شہباز کو دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اپنے جانی دشمن شہباز کے قبیلے میں آن پھنسا ہے۔ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا مگر جب اس نے ماں بیٹے کی گفتگو سنی تو کچھ ڈھارس بندھی۔

شہباز اس کے قریب آیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”میجر صاحب! آپ ہمارے مہمان ہیں۔ آپ کی حفاظت اور دیکھ بھال ہمارا فرض ہے۔ آپ جب تک تندرست نہیں ہو جاتے‘ اس قبیلے میں دوست کی طرح رہیں گے۔ اس کے بعد ہم آپ کو اپنی سرحد کے پاس بہ حفاظت چھوڑ آئیں گے۔ یاد رکھئے کہ سرحد پار کرتے ہی آپ ایک بار پھر ہمارے دشمن ہو جائیں گے۔“

کاکرن حیرت سے شہباز کو دیکھتا رہا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

افضل اور دیگر ساتھیوں کی لاشوں کو جب قبر میں اتارا گیا تو شہباز کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

اسی شام اپنے غم کو چھپائے شہباز اور اس کے ساتھی‘ گھر کے پاس والے میدان میں آئے۔ حسب معمول ایک سالم بکرا بھونا گیا۔ شہباز کی بغل میں میجر کاکرن بندھا بازو لئے ٹکٹکی باندھے سب کچھ حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

شہباز نے مہمان کو ایک تیز چھری دیتے ہوئے کہا۔ ”صاحب! آپ بسم اللہ کیجئے۔ ایک کمی کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔ آج گانا بجانا نہیں ہو سکے گا کیوں کہ میرے بچپن کا دوست افضل اور بقیہ تین عزیز ساتھی آپ کے دستے سے معرکہ آرائی میں اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔“

میجر کاکرن نے شہباز کے غمزدہ چہرے پر نظر ڈالی اور بولا۔ ”سردار شہباز خان سرباز! میں نے سنا ہی تھا کہ پٹھان میدان میں دشمن اور اپنے گھر میں دوست ہوتا ہے۔ آج

آنکھوں سے بھی دیکھ لیا۔ میں فقط آپ کو ہی نہیں آپ کے پورے قبیلے کو سلام کرتا ہوں۔ آپ لوگ واقعی بہادر ہیں خان! میں یہ تسلیم کرتا ہوں۔ آپ کو دوستی اور دشمنی دونوں کا سلیقہ آتا ہے۔" پھر میجر نے بھنے ہوئے بکرے کو چھری سے کاٹنا شروع کر دیا۔ اس وقت میجر کاکرن کو یوں لگا کہ جیسے وہ اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھا ہو۔ ہنسی مذاق بھی ہوتا رہا مگر کچھ دبا دبا سا! میزبان کا جگری دوست اور دوسرے عزیز ساتھی جو آج مارے گئے تھے!

کاکرن جلدی معذرت کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے معلوم تھا کہ ماحول کے پیالے میں غم اور خوشی کی شراب میزبان صرف اس کی وجہ سے ملا رہے ہیں۔

اِدھر میجر کاکرن' شہباز سرباز کا مہمان بنا ہوا تھا' اُدھر بڑی تن دہی سے انگریز فوج اس کی تلاش میں سرگرم تھی۔

اسکواڈرن معرکہ آرائی کے بعد ایک جگہ جمع ہوا تو اسے تین سواروں کی لاشیں مل گئیں مگر میجر کاکرن کا کہیں بھی پتا نہ تھا' نہ ہی اس کا گھوڑا ملا۔ رسالدار بھگوان سنگھ نے باگ ڈور سنبھال لی اور پھر آس پاس میجر کاکرن کی تلاش شروع ہوئی گئی۔ تقریباً دو گھنٹے تک تلاش کے بعد ناکام ہو کر وہ لوگ گہری سوچ میں ڈوبے پریشان پریشان سے واپس آ گئے۔

واپس آنے کے بعد جب میجر کاکرن کے گم ہو جانے کی رپورٹ اوپر پہنچی تو ایک ماتمی سناٹا چھا گیا۔ کاکرن کی بیوی یوریٹا دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اس کا چھوٹا بیٹا ڈینیل اپنی ماں کو یوں روتے دیکھ کر حیرت زدہ سا تھا۔

سرکاری حلقہ گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔ کاکرن مر چکا ہے یا زندہ ہے؟ سبھی یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔

یوریٹا کو دلاسا دیتے ہوئے کیپٹن جیمس نے کہا۔ "میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میجر کاکرن ٹھیک ٹھاک ہیں۔ آپ بالکل نہ گھبرایئے۔ کل سے میجر کی تلاش میں چار فوجی دستے روانہ ہو رہے ہیں۔ میجر کا سراغ مل جائے گا۔"

پشاور میں جب کرنل ڈین کو یہ خبر ملی تو وہ بوکھلا گیا۔ اس کے حکم سے لیفٹیننٹ کرنل برڈ کی کمان میں دو سو سوار اور چار ہلکی پہاڑی توپوں کے ساتھ ایک زبردست مہم کا

آغاز کر دیا گیا۔ ایسا اندازہ سبھی کا تھا کہ میجر کاکرن' شہباز سرباز ہی کے چنگل میں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آواز اٹھی' شہباز سرباز کا پتا لگایا جائے' میجر کاکرن اسی کے پاس ہے۔

بھاری انعام پانے کے لالچ میں آس پاس کے مخبر بھاگ دوڑ میں مصروف ہو گئے تھے۔

ادھر چوتھے روز میجر کاکرن کو کافی افاقہ ہو گیا تھا۔ پوری طرح اس کی نگہداشت کی جا رہی تھی اور علاج پر بھی توجہ دی جا رہی تھی۔ اس کا درد بند ہو گیا تھا۔ بازو کی ہڈی کو جراح نے جوڑ دیا تھا اور زخم پر چند جڑی بوٹیوں کی پلٹس باندھ دی گئی تھی۔ اس کے کھانے پینے کا بھی خیال رکھا جا رہا تھا۔ شہباز خان ہر شام اس سے ملتا تھا۔ اس کے مخبر انگریزوں کی سرگرمیوں کی خبریں اسے ہر روز پہنچا رہے تھے۔

جب میس کا بیرا کریم خان یہ خبر لایا کہ میجر کاکرن کی بیوی یوریٹا اس کے غم میں بیمار ہو گئی ہے۔ اسے بخار آ گیا ہے اور یہ کہ میجر کا پانچ سالہ بیٹا بھی غم میں کملا گیا ہے تو شہباز کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا۔

وہ اسی شام میجر کاکرن سے ملا اور کہا۔ "صاحب! آپ کا زخم ابھی ہرا ہے۔ آپ کے ڈاکٹروں کا طریق علاج اور ہے اور ہمارے جراح کا اور! آپ یقین مانئے' ہماری دوا سے آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہاں ابھی دس بارہ روز اور لگیں گے" پھر شہباز اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ "خبر آئی ہے کہ آپ کی بیگم صاحبہ شاید آپ کو مردہ سمجھ رہی ہیں۔ وہ بیمار پڑ گئی ہیں۔ آپ کا معصوم بیٹا بھی پریشان ہے۔ آپ چاہیں تو ایک خط اپنی بیگم صاحبہ کے نام لکھ کر دے دیں۔ آپ کا خط ملنے سے ان کی پریشانی ختم ہو جائے گی مگر یاد رکھیے کہ اس وقت آپ ہمارے مہمان اور دوست ہیں اور اسی حیثیت سے آپ یہاں رہ رہے ہیں۔ مجھے آپ پر اعتماد ہے کہ خط میں آپ کوئی بات دھوکے کی نہیں کریں گے۔"

میجر کاکرن خود بھی اپنی بیوی یوریٹا اور بیٹے ڈینیل کی طرف سے بہت فکرمند تھا۔ شہباز کی پیش کش پر شکرگزاری میں اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"خان!" کاکرن جذبات سے بوجھل آواز میں بولا۔ "آپ ایک بہادر قوم کے چشم و چراغ ہیں۔ میں بھی انگریز قوم کا سپوت ہوں۔ یقین کریں' آپ کے ساتھ کوئی دغا کرنا میں

اپنی قوم کے نام پر کلنک لگانے کے برابر سمجھتا ہوں۔ اگر آپ میرا خط پہنچوا سکیں تو میں شکر گزار ہوں گا۔"

پھر میجر کاکرن نے اپنی بیوی کو خط لکھ دیا۔ اس نے خط میں لکھا تھا۔ "پیاری یوریٹا! میں زندہ اور خیریت سے ہوں۔ میں صرف زخمی ہوں اور دوا دارو ٹھیک طرح سے ہونے کے سبب میرا زخم تیزی کے ساتھ بھر رہا ہے۔ میں دوستوں کے بیچ رہ رہا ہوں۔ حامل رقعہ میرا دوست ہے۔ جلدبازی میں تم کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھنا! ورنہ میں صحیح سلامت نہ لوٹ پاؤں گا۔ یقین مانو کہ میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔ ڈینیل کو بے حد پیار! تمہیں بھی بے حد اور بہت بہت پیار۔ تمہارا' کاکرن۔"

خط لے کر شہباز مسکرایا اور پھر سرہلا کر چلا گیا۔

میجر کاکرن کو پورا یقین تھا کہ اس کا خط اپنی منزل پر جلدی پہنچ جائے گا۔

شہباز اپنے چار ساتھیوں کو لے کر چرواہوں کا لباس زیب تن کیے نکلا اور سیدھا آفیسرز میس میں جا پہنچا۔ وہ وہاں جبر خان سے ملا۔ جبر خان ہی نے شہباز کو کاکرن کا پھوس والا بنگلا دکھایا۔ شام تیزی سے گزر رہی تھی۔ کاکرن کے بنگلے پر انگریز افسروں اور ان کی بیویوں کا ایک تانتا سا بندھا ہوا تھا۔ وہ سبھی یوریٹا کی ڈھارس بندھانے آ رہے تھے۔

تقریباً نو بجے رات تک سبھی آنے والے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ تین چار نوکر اور چوکیدار ہی بنگلے میں رہ گئے تھے۔ شہباز خان بنگلے کے عقبی دروازے سے اندر گھسا۔ اس کے چاروں مسلح ساتھی اور جبر خان پاس والے انار کے پیڑ تلے تاریکی میں کھڑے ہو گئے۔

"اگر دو بار سیٹی بجے تو سمجھنا کہ میں خطرے میں ہوں۔" شہباز نے چلتے وقت اپنے ساتھیوں سے کہا تھا' پھر بلی کی طرح دبے قدموں آگے بڑھ گیا تھا۔

شہباز نے اندر جا کر دیکھا۔ میجر کاکرن کی بیوی یوریٹا کا چہرہ مرجھائے ہوئے کنول کے مانند ہو رہا تھا۔ اس کے بیٹے کے چہرے پر بھی غم آلود پریشانی چھائی ہوئی تھی۔ اچانک شہباز پردہ اٹھا کر یوریٹا کے سامنے آ گیا اور اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کاکرن کا خط آگے بڑھا دیا۔ یوریٹا نے شہباز خان کو ایک مرتبہ دیکھا تھا جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ میلہ دیکھنے گئی تھی اس لئے وہ شہباز خان کو پہچان گئی۔ یوریٹا اسے پہچان کر چیخنے ہی والی تھی کہ

شہباز نے تیزی سے لپک کر اس کا منہ دبا دیا۔ وہ کسی ایسی ہی صورت حال کے لئے پہلے سے چوکنا تھا۔

اپنی آنکھوں کے سامنے کاکرن کا خط دیکھ کر یوریٹا کے چہرے سے اطمینان جھلکنے لگا۔ ڈینیل ڈر کے مارے اپنی ماں سے لپٹ گیا۔ یوریٹا نے خط لے کر ایک جھٹکے سے کھولا اور ایک ہی نظر میں پورا خط پڑھ گئی۔ اس عرصے میں شہباز اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا چکا تھا۔

خط پڑھ کر یوریٹا کے چہرے پر جیسے بہار آ گئی۔ خوشی کے آنسو اس کی آنکھوں میں بھر آئے۔ اس نے زخم بھری نظروں سے شہباز کی طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کاکرن ٹھیک ہے خان؟"

شہباز نے مسکرا کر جواب دیا۔ "وہ بالکل ٹھیک ہیں بیگم صاحبہ! کچھ ہی دنوں میں ان کے بازو کا زخم بھر جائے گا اور وہ پھر یہاں آ جائیں گے۔ آپ مطمئن رہیں' میں خود انہیں چھوڑنے کے لئے یہاں آؤں گا۔"

یوریٹا کے مرجھائے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ اٹھ کر رائٹنگ ٹیبل تک گئی اور اپنے شوہر کو خط لکھنے لگی۔ وہ لکھنا تو بہت کچھ چاہتی تھی مگر اسے وقت کا بھی احساس تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ پیار بھری خوشی کا ساگر اس کاغذ کے ٹکڑے کی گاگر میں بھر ڈالتی۔

ڈینیل بھی شہباز کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ شہباز نے اسے مسکرا کر دیکھا مگر ڈینیل سہم گیا۔ یوریٹا سے خط لے کر شہباز چلنے لگا تو یوریٹا نے اسے روک لیا۔ "ذرا ٹھہرو خان!" پھر وہ الماری کے قریب پہنچی تو اسے کھول کر آدھا کیک نکال لائی۔ کیک شہباز کو دیتے ہوئے وہ بولی۔ "یہ صاحب کو دے دینا۔"

شہباز نے کیک کو اپنے جھولے میں رکھ لیا اور پھر سر جھکاتا ہوا عقبی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ باہر اس کے ساتھی تیار کھڑے تھے۔ انہیں کوئی بھی سیٹی سنائی نہیں دی تھی' اس کا مطلب انہوں نے یہی لیا کہ شہباز کو خطرے سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ اتنے میں شہباز بنگلے سے باہر آ گیا۔ اسے دیکھ کر ساتھیوں کی جان میں جان آئی۔

شہباز نے جب یوریٹا کا خط اور کیک میجر کاکرن کو دیا تو اس نے شہباز کے چہرے کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھا۔ اس نے کیک کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ٹکڑا شہباز کو

دیتے ہوئے بولا۔ "تم میری بیوی کے ہاتھ کا بنا ہوا کیک کھانے میں کوئی عذر تو نہیں کرو گے؟"

"کیک میٹھا ہوتا ہے یا نمکین؟" شہباز نے ہنس کر پوچھا۔

کاکرن نے جواب دیا۔ "میٹھا ہوتا ہے۔"

شہباز نے کیک لیتے ہوئے کہا۔ "تو پھر خوشی سے کھالوں گا۔"

"اگر نمکین ہوتا تو کیا نہ کھاتے؟" کاکرن نے دریافت کیا۔

"نہیں۔" شہباز نے انکار میں سر ہلایا۔ "خیر تم آج کل تو ہمارے مہمان ہو مگر ہو تو ہمارے دشمن ہی! ہم دشمن کا نمک نہیں کھاتے۔"

کاکرن ہنسا۔ "اور میں جو تمہارے گھر کا نمک کھا رہا ہوں' وہ!؟"

شہباز بولا۔ "اول تو تم ایک زخمی اور بیمار آدمی ہو' دوم میری ماں کے حکم کے مطابق ہمارے قبیلے کے مہمان ہو۔ اس کے علاوہ یہ کہ ہم نمک کی جو قیمت لگاتے ہیں اسے انگریز نہیں مانتے۔"

کاکرن سنتا رہا اور سوچتا رہا۔ ہندوستان آنے سے پہلے انگلینڈ میں اس نے مشرق کے متعلق بہت سی کہانیاں سنی تھیں۔ اسے لگا جیسے مشرق واقعی خوابوں کی دنیا ہے جہاں جذبات کے نازک تاروں سے خواب بنے جاتے ہیں۔ اس نے سوچا' یہ جاہل اور غیر ترقی یافتہ پسماندہ لوگ اپنے سینوں میں کتنے نرم دل رکھتے ہیں اور جب معاندانہ جذبات دل میں ابھرتے ہیں تو یہی نرم دل کتنے سخت ہو جاتے ہیں۔ کاکرن کو جذبات کا یہ اتار چڑھاؤ بہت خوب صورت محسوس ہونے لگا۔

☆-----☆-----☆

لیفٹیننٹ کرنل برڈ ایک سرے سے درے کے دور تک اندرونی علاقوں میں گھس کر اور قبیلوں کو گھیرے میں لے کر میجر کاکرن کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

صبح پانچ بجے قبیلے کا چوکیدار گھبرایا ہوا سردار طُرے خان کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔

شہباز آنکھیں ملتا اور بڑبڑاتا ہوا باہر آیا اور چوکیدار سے جھنجلا کر پوچھا۔ "کیا ہے؟"

ہانپتے ہوئے چوکیدار نے جواب دیا۔ "چھوٹے سردار! قبیلے کو گھیر لیا گیا ہے۔ انگریز

افسر کے دو سو سوار چاروں طرف بندوقیں تانے کھڑے ہیں۔ چار توپیں بھی لگی ہیں جو ایک ہی اشارے پر بستی میں آگ کے گولے پھینکنے لگیں گی۔"

شہباز خان یہ سن کر گنگ سا ہو گیا۔ تب تک لوگ جاگ چکے تھے۔ سردار طُرے خان اپنے دونوں ہونٹ بھینچے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ صورت حال کی نزاکت کا اسے پوری طرح احساس تھا۔ اسے معلوم تھا کہ توپوں سے نکلنے والے گولے ساری بستی کو موت کی نیند سلا سکتے ہیں۔

اچانک گھڑسواروں کے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دینے لگی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھیں۔ کرنل برڈ تقریباً پچاس سواروں کے ہمراہ قبیلے کے اندر آ گیا تھا۔ وہ پشتو بھی جانتا تھا۔ اس نے پشتو ہی میں کڑک کر کہا۔ "اس قبیلے کا سردار باہر نکل آئے۔ اگر کہیں سے بھی کوئی ہتھیار اٹھا' یا ایک بھی گولی چلی تو تمہارے قبیلے کو خاک میں ملا دیا جائے گا۔ توپوں کے رخ تمہاری بستی ہی کی طرف ہیں۔"

شہباز خان یہ سن کر آگے بڑھنے لگا تو سردار طُرے خان نے اسے روک دیا اور بولا۔ "تم یہیں رہو گے شہباز خان! قبیلے کا سردار میں ہوں' تم چھوٹے سردار ہو۔" یہ کہہ کر سردار طُرے خان آگے بڑھ گیا۔

سارا قبیلہ جاگ چکا تھا۔ سبھی سکتے میں آ گئے تھے۔ بہت سے اپنے گھروں سے نکل کر دروازوں پر دم بخود کھڑے تھے۔ شہباز بھی ایک چادر اوڑھے باہر بھیڑ میں کھڑا تھا۔

"یہ قبیلہ کس کا ہے؟" کرنل برڈ نے سردار طُرے خان سے سوال کیا جو اس کے سامنے پہنچ چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ سردار طُرے خان کوئی جواب دیتا' میجر کاکرن بندھے ہوئے بازو کو پٹی میں لٹکائے طُرے خان کے گھر سے باہر نکل آیا۔

کرنل برڈ اسے دیکھ کر خوشی سے چلایا۔ "میجر کاکرن! بڑی اچھی قسمت ہے تمہاری میجر جو تم مل گئے اور وہ بھی زندہ!" پھر کرنل برڈ گھوڑے سے اتر کر آگے آیا اور کاکرن سے ہاتھ ملا کر بولا۔ "کیا یہ قبیلہ شہباز سرباز کا ہے میجر؟ مجھے خبر ملی تھی کہ شہباز کے قبیلے والوں نے تمہیں قید کر رکھا ہے یا مار ڈالا ہے۔"

سردار طُرے خان کی نظریں میجر کاکرن کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ سارا قبیلہ

سناٹے میں آ گیا تھا۔ شہباز چادر اوڑھے اور سانس روکے سب کچھ سن رہا تھا۔ وہ میجر کاکرن کے بولنے کا منتظر تھا۔

میجر کاکرن بولا۔ "کرنل برڈ' سر! یہ قبیلہ باغی شہباز سرباز کا نہیں ہے۔ یہ تو ہمارے دوستوں کا قبیلہ ہے۔ یہاں کے سردار کی ماں نے مجھے اپنے بیٹے کی طرح رکھا ہے اور میرا علاج کرنے کے علاوہ ہر طرح میری نگہداشت کی ہے۔"

شہباز کے سینے میں رکا ہوا سانس آزاد ہو گیا۔ سردار طُرے خان کی آنکھوں میں خوشی کی سی چمک تھی۔ قبیلے والوں کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا کہ جو کچھ انہوں نے سنا ہے' واقعی میجر کاکرن نے ہی کہا ہے۔

کرنل برڈ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ گھڑ سواروں کی تنی ہوئی بندوقوں کی نالیں جھک گئیں۔ گھڑ سوار نے بگل منہ سے لگا کر بجا دیا۔ بگل کی آواز سن کر توپیں بھی سرنگوں کر دی گئیں۔ لوگ ٹکٹکی باندھے یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ شہباز سوچ رہا تھا کہ میجر کاکرن واقعی ایک بہادر آدمی ہے اور نمک حرام نہیں ہے۔

کرنل برڈ نے میجر کاکرن کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "عیسیٰ مسیح کا شکر ہے میجر کاکرن کہ تم محض زندہ ہی نہیں بلکہ دوستوں کے درمیان رہ رہے ہو۔ چلو' اب ہمیں چل دینا چاہئے۔"

میجر کاکرن نے مڑ کر شہباز خان کے گھر کی طرف دیکھا۔ شہباز کی ماں صغرا خانم دہلیز پر کھڑی تھی۔

"سر میرا زخم ابھی بھرا نہیں ہے۔" میجر کاکرن نے کرنل برڈ سے کہا۔ "میری ماں جیسی بزرگ خاتون وہ کھڑی ہیں۔ میری التجا یہ ہے کہ آپ سب لوٹ جائیں۔ میں ٹھیک ہوتے ہی خود بہ خود چلا آؤں گا۔"

کرنل برڈ حیرت سے بولا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو میجر! مجھے چیف کمشنر کا حکم ہے کہ تمہیں زندہ پا کر فوراً واپس لایا جائے۔"

"اس کی جواب دہی میں کر لوں گا!" میجر کاکرن نے کہا۔ "اگر آپ کہیں تو میں لکھ کر دے سکتا ہوں کہ زخم بھرتے ہی خود واپس آ جاؤں گا۔"

صغرا خانم کو کسی نے یہ سب بتا دیا۔ وہ آگے بڑھ کر آئی اور میجر کاکرن کو مخاطب

کیا۔ "میرے بچے! اس قبیلے کے تم مہمان ہو' جب تک چاہو ہمارے گھر میں رہو مگر ایک عورت ہونے کے ناطے میں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ تمہاری بیوی پر کیا گزری ہو گی! اپنے مہمان سے جانے کے لئے کہنا ہم لوگ گناہ تصور کرتے ہیں۔ میرے بچے! تم ایک بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انسان بھی ہو۔ میری خواہش ہے کہ تم اپنی بیوی اور بچے کے پاس چلے جاؤ۔ تمہارے جانے سے ان کے دل کی خزاں پھر سے بہار بن جائے گی۔"

میجر کاکرن نے شہباز کی ماں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور اس کا دامن چوم لیا۔

صغرا نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"ماں! کیا آپ اجازت دیتی ہیں کہ میں چلا جاؤں؟" کاکرن نے اس سے پوچھا۔

جواب میں صغرا نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔ میجر کاکرن چلنے کو تیار ہو گیا۔ اس کا تھیلا اندر سے منگوا لیا گیا۔ جیسے وہ جانے کو ہوا شہباز نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ٹھہرو مہمان! ہمارا قبیلہ کبھی مہمان کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیتا۔ قبیلہ تمہیں چھوٹا سا ایک نذرانہ دینا چاہتا ہے۔" یہ کہہ کر شہباز بھاگتا ہوا گھر کے اندر گیا۔ جب وہ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں مخمل کی ایک تھیلی تھی۔ وہ تھیلی اس نے میجر کاکرن کے ہاتھ پر رکھ دی اور پھر ہاتھ ملا کر کہنے لگا۔ "مہمان کے علاوہ میں تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے بھی قبول کرتا ہوں میجر!"

کاکرن کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے مخمل تھیلی اپنی جیب میں رکھ لی اور پھر کرنل برڈ کے ساتھ چل دیا۔

جب میجر کاکرن اپنے بنگلے میں پہنچا تو یوریٹا خوشی سے پاگل ہو گئی۔ سب کے سامنے میجر کاکرن نے اسے اپنی بانہوں میں لے کر سینے سے لگا لیا۔ یہ بڑا جذباتی منظر تھا۔ لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر کاکرن اپنے بیٹے کو گود میں لے کر دیوانہ وار چومنے لگا۔

سب لوگ میجر کاکرن کو مبارکباد دے رہے تھے۔ رات کو کھانے کے بعد میجر کاکرن نے سب کچھ اپنی بیوی کو بتا دیا اور پھر ایک دم بولا۔ "ارے ہاں' شہباز سرباز کا تحفہ تو میں دیکھنا ہی بھول گیا۔"

میجر کاکرن اٹھا اور اس نے اپنی جیب سے شہباز کی دی ہوئی مخملی تھیلی نکال کر دیکھی۔ اس میں میجر کاکرن کے ریوالور سے نکالی ہوئی چھ گولیاں رکھی تھیں جن کے بارے میں شہباز نے کبھی کہا تھا کہ میں انہی گولیوں میں سے ایک تمہیں ماروں گا۔ وہ

گولیاں شہباز نے واپس کر دی تھیں اور میجر اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اس کے کانوں میں شہباز کے کہے ہوئے یہ الفاظ گونج رہے تھے کہ مہمان کے علاوہ میں تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے بھی قبول کرتا ہوں میجر!

☆------☆---- ----☆

گل سمن صبح ہی صبح کھڑ بڑ سن کر جاگ اٹھی۔ اس وقت صبح کے ساڑھے چار بجنے والے تھے۔ نور خان کی حویلی کا پھاٹک کسی نے دھیرے سے کھولا تھا۔ ایک لمبا چوڑا سایہ ایک پوٹلی لیے دبے پاؤں پھاٹک سے نکل رہا تھا۔ قبیلے کے اندر چوری کرنا ناممکن تھا۔ گل سمن سوچنے لگی کہ آخر کون اتنے سویرے اٹھ کر پوٹلی لیے جا رہا ہے اور اس پوٹلی میں کیا ہو سکتا ہے؟ اس نے اپنے سرہانے رکھا ہوا خنجر اٹھایا اور اپنے گھر کے پاس کھڑی ہو کر اس سائے کی طرف دیکھنے لگی۔ سایہ جب قریب آیا تو گل سمن نے اسے پہچان لیا۔ وہ نور خان تھا۔ گل سمن نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر اسے حیرت ہوئی کہ صبح ہی صبح نور خان کیا لے جا رہا ہے؟

نور خان کو گل سمن آج تک اپنا ہی سمجھتی آئی تھی۔ اس کی بیوہ ماں نعیمہ بچپن ہی سے اسے یہ بتاتی آ رہی تھی کہ نور خان ہی تیرا سب کچھ ہے۔ گل سمن جب چھ سال کی تھی تبھی نور خان کا باپ سردار ہلال خان' نعیمہ کے گھر آ کر نور خان کے لیے گل سمن کے رشتے کی بات پکی کر گیا تھا۔ سردار ہلال خان بڑے غصے کا آدمی تھا۔ وہ دشمنی اور دوستی نبھانا خوب اچھی طرح جانتا تھا۔

مالاکنڈ کی لڑائی میں گل سمن کے باپ حفیظ خان نے سردار ہلال خان کے سامنے آ کر اس کی جان بچائی تھی۔ جو نیزہ سردار ہلال خان کے سینے کے آرپار ہونا تھا اس نے حفیظ خان کے سینے میں ترازو ہو کر اس کی جان لے لی تھی۔

حفیظ خان نے مرتے دم سردار ہلال خان کا ہاتھ دبا کر کہا تھا۔ "سردار! مجھے ناز ہے کہ میں آپ کے کسی کام آ سکا۔ مجھ جیسے سینکڑوں حفیظ خان قبیلے کی خدمت کو پیدا ہو جائیں گے مگر قبیلے کا سردار بڑی مشکل سے ملتا ہے۔"

سردار ہلال خان اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ "نہیں حفیظ خان' تم جیسے جاں نثار دوست بھی برسوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ میری خاطر تم نے اپنی جان دی ہے میرے

دوست! تمہارا احسان میرا خاندان کبھی نہیں بھولے گا۔"

حفیظ خان [illegible] اندھیرے اترنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے بہ مشکل کہا۔ "سردار! میں اپنی بیوی [illegible] جلد گل سمن کو تمہیں سونپے جا رہا ہوں۔ خدا......... حافظ!"

سردار ہلال خان نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ حفیظ خان کی بیٹی کو اپنے خاندان کی عزت بنائے گا۔ پھر عدت پوری ہو جانے کے بعد وہ گل سمن کا رشتہ مانگنے مرحوم حفیظ خان کی بیوہ نعیمہ کے پاس گیا تھا۔ یہ رشتہ اس نے اپنے بیٹے نور خان کے لئے مانگا تھا۔ نعیمہ نے رشتہ قبول کر لیا۔ اس رشتے کے پکا ہو جانے سے نعیمہ اپنی بیٹی کی طرف سے بے فکر ہو گئی تھی۔ یہ آسرا ہی اس کی زندگی میں بہار کا وعدہ سا بن گیا تھا کہ اس کی بیٹی قبیلے کے سردار کی بہو بنے گی۔

جیسے جیسے گل سمن بڑی ہوتی گئی' اس کا حسن بھی نکھرتا گیا۔ وہ انار کے مانند سرخ تھی۔ بچپن ہی سے اس نے نور خان کو اپنا سمجھا تھا اور آج بھی وہ اسے اپنا ہی سمجھتی تھی۔ گل سمن کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نور خان' مہ جبیں کے لئے دیوانہ ہو گیا ہے۔ محبت کے بجائے مہ جبیں کے لئے نور خان کے دل میں ہوس زیادہ تھی۔ مہ جبیں کو وہ اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ جب کبھی نور خان' گل سمن کے سامنے آتا تھا تو صرف مسکرا ہی دیتا۔ اس کی مسکراہٹ ہی گل سمن کو ہرا بھرا کرتی رہی۔

نور خان پیٹھ پر پوٹلی رکھے گھر سے نکلا تھا۔ پوٹلی کو اس نے گھوڑے کی پیٹھ پر رکھا۔ ایک بیلچہ بھی گھوڑے کی زین کے پاس ٹھنسا ہوا تھا۔ نور خان گھوڑے پر سوار نہیں ہوا۔ تھوڑی دیر چل کر ایک بڑے درخت کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا پھر وہ گھوڑے کی زین سے بیلچہ نکال کر زمین کھودنے لگا۔ گل سمن یہ سب کچھ حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی وجہ گل سمن کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ گڑھا کھود کر نور خان نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا' پھر گھوڑے سے پوٹلی اتار کر گڑھے میں دبا دی اور گڑھے کو دوبارہ مٹی سے بھر دیا۔

"جس دن شہباز مارا جائے گا' اس روز میں یہ دو ہزار روپے غریبوں میں بانٹ دوں گا۔" نور خان دانت پیستا ہوا بولا۔

نور خان یہ کہہ کر حویلی کی طرف لوٹ گیا۔ گھوڑا اس کے ساتھ تھا۔ گل سمن نے یہ سب کچھ دیکھ لیا مگر کچھ بولی نہیں۔ اس پر جو راز منکشف ہو گیا تھا اس نے کسی کو بھی اس میں شریک نہ کیا۔ وہ نور خان کو اپنا سمجھتی تھی۔ اس کا راز بھی تو گل سمن کا اپنا راز ہی تو تھا!

کوئی دو تین روز کے بعد نور خان کے ساتھی عیدو خان نے کہیں پر مہ جبیں والا قصہ بیان کیا۔ گل سمن کو اس کی بھنک پڑ گئی۔ اس دن وہ بہت آزردہ خاطر رہی پھر رفتہ رفتہ اس کی اداسی دور ہونے لگی اور اس کا ہاتھ خنجر تک پہنچ گیا۔ کون ہے یہ مہ جبیں؟ وہ غصے سے بل کھاتی ہوئی سوچنے لگی۔ گل سمن اسے دیکھنے کے لئے بے تاب ہو اٹھی۔

ایک روز موقع پا کر وہ عیدو خان کے گھر جا پہنچی اور اس سے پوچھا۔ "عیدو بھائی! کیا یہ سچ ہے کہ نور خان کسی مہ جبیں سے عشق فرمانے لگے ہیں؟ اور کیا یہ آگ دونوں طرف ہی لگی ہوئی ہے؟"

عیدو پہلے تو چونکا۔ پورے قبیلے کو معلوم تھا کہ گل سمن جلد ہی نور خان کی بیوی بننے والی ہے۔ سردار ہلال خان نے بارہ سال پہلے یہ رشتہ طے کر دیا تھا۔ نور خان کی ٹال مٹول کے باعث ہی شادی میں تاخیر ہو رہی تھی۔

عیدو نے سٹپٹا کر جواب دیا۔ "گل سمن! تمہیں یہ کس نے بتا دیا ہے؟ یہ افواہ میں نے بھی سنی تو ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ آگ دونوں طرف لگی ہوئی ہے یا معاملہ یک طرفہ ہے! ہاں یہ سچ ہے کہ اُرک زئی قبیلے کے شہباز خان سرباز اور نور خان میں مہ جبیں ہی کی وجہ سے عداوت پیدا ہوئی ہے۔"

"کون ہے یہ مہ جبیں؟" گل سمن نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"مہ جبیں یوسف زئی قبیلے کے سردار گلاب خان کی بیٹی ہے۔" عیدو نے سر نیچا کیے ہوئے جواب دیا۔

گل سمن نے نام دہرایا۔ "مہ جبیں!" اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ پھر اس کے وجود میں جیسے کسی نے سرگوشی کی۔ گل سمن! جلد بازی کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ پہلے تم اس بات کی تصدیق کر لو کہ مہ جبیں بھی نور خان کو چاہتی ہے یا صرف نور خان ہی اس پر مرمٹا ہے! گل سمن کافی دیر تک سوچتی رہی۔

تقریباً دس روز کے بعد شاہ مطرب کے مزار پر میلہ لگتا تھا۔ اس میلے میں قبیلوں کے سبھی مرد و زن شریک ہوتے تھے۔ گل سمن بھی اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ میلے میں گئی۔ سیخ کباب کی دکان پر اس کی سہیلی زہرہ نے کہنی مار کر کہا۔ "گل سمن! وہ دیکھو' اُدھر......... وہ ہے سردار گلاب خان کی بیٹی۔"

مہ جبیں اپنے بھائی گلفام کے ساتھ کباب کھا رہی تھی اور مرچوں کی وجہ سے "سی سی" کر رہی تھی۔ گل سمن کو مہ جبیں' چاند کا ٹکڑا سی لگی۔ گل سمن کے دل میں اسی کے ساتھ رقابت کا ایک چرکا سا لگا۔ مہ جبیں کے بلا خیز حسن کو اس نے اپنے لیے خطرہ محسوس کیا۔

شاید گلفام ہی نے شہباز کے کان میں کسی اور کی معرفت یہ بات ڈلوائی تھی کہ میلے میں مہ جبیں بھی آئے گی۔

شہباز بھی مہ جبیں سے ملنے کے لئے بے قرار تھا۔ یہ موقع اچھا تھا لہٰذا چند ساتھیوں کو لے کر وہ بھی میلے میں گھوم رہا تھا' نور خان پشاور گیا ہوا تھا۔ نور خان کس لیے پشاور گیا تھا' یہ تو نہیں معلوم مگر عیدو خان نے اشارہ ضرور دیا تھا کہ نور خان کو ذکا خیل کے قبیلے کے کچھ لوگوں نے بلایا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ پشاور گیا تھا۔ تھوڑی دیر میلے میں گھومنے کے بعد شہباز کی نگاہ مہ جبیں اور اس کی سہیلیوں پر پڑی۔ پاس ہی ایک دکان پر گلفام چاٹ کھا رہا تھا۔ اس کی نظر بھی شہباز پر پڑی اور اس نے آواز دے کر شہباز کو اپنے پاس بلا لیا۔ شہباز اصلی کلابتوں کی کلاہ پہنے ہوئے تھا' لال مخمل کی واسکٹ پر سونے کے تار کا کام تھا۔ چہرے پر سرخی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے آنکھوں میں سرمہ بھی لگا رکھا تھا جو اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے کناروں پر اتنا مہین لگا ہوا تھا جیسے کسی خنجر کی تیز دھار ہو' اپنی کلائی پر لال رومال بندھا ہوا تھا اور یہ رومال مہ جبیں ہی کا دیا ہوا تحفہ تھا۔

جب مہ جبیں نے اسے دیکھا تو وہ شرم سے سمٹ گئی۔ خوشی اور حیا کی گنگا جمنی ادا نے اس کی بڑی بڑی پلکوں کو جھکا دیا۔ نیچی نگاہ کیے جب اس نے ترچھی چتون سے شہباز کو دیکھا تو شہباز بے چین ہو گیا۔ تبھی مہ جبیں کی نظر شہباز کی کلائی پر بندھے اپنے رومال پر پڑی۔ شہباز نے یہ دیکھ کر رومال اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ مہ جبیں کو ایسا لگا جیسے شہباز اس کے ہونٹوں کو چوم رہا ہو۔

یہ سب کچھ گل سمن دور سے دیکھ رہی تھی۔ آخر وہ بھی جوانی کی دہلیز پر کھڑی ایک خوب صورت دوشیزہ تھی۔ اس نے یہ نظارہ دیکھ کر طویل سانس لیا۔ اس کے دل سے آواز اٹھی۔ گل سمن! یہ آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ خاموش اشارے دونوں کی محبت کے گواہ ہیں۔ بس اب یہ دیکھنا ہے کہ آگ کتنی پھیل چکی ہے! دونوں ایک دوسرے کے عشق میں کتنے ڈوبے ہوئے ہیں۔

گلفام اور شہباز کچھ دیر تک ساتھ ساتھ رہے۔ شہباز نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ میلے میں گھوم لیں اور پھر گھنٹے بھر بعد رہٹ کے پاس پیڑ کے نیچے مل جائیں۔ گلفام نے بھی اپنے ساتھیوں کو ٹہلا دیا تھا۔ شہباز کی موجودگی میں وہ اپنے ساتھیوں کو قریب نہیں رکھنا چاہتا تھا۔

مہ جبیں اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئی تھی۔ تبھی گلفام اپنے ساتھی شہباز کو لیے اس کے قریب پہنچ کر بولا۔ "مہ جبیں! کیوں نہ ہم لوگ پیڑ کے نیچے بیٹھ کر کھانا کھا لیں؟ کیا خیال ہے تمہارا؟" گلفام نے ایک قریبی پیڑ کی طرف اشارہ کیا۔

مہ جبیں نے اپنی گردن جھکا دی۔ پیڑ کے نیچے ہی دری بچھا دی گئی' پھر اس پر سفید کڑھا ہوا دستر خوان بچھا دیا گیا۔

"بڑا خوب صورت دستر خوان ہے۔" شہباز نے تعریف کی۔

"تمہیں پسند آیا شہباز بھائی!" گلفام مسکرا کر بولا۔ "مہ جبیں نے بنایا ہے۔"

"اچھا تو میرا اندازہ درست ہی نکلا۔" شہباز نے آہستہ سے ہنس کر کہا۔ "میرا خیال تھا اتنا خوب صورت دستر خوان اور کون بنا سکتا ہے!"

مہ جبیں شرم کے مارے گڑ سی گئی۔

گلفام کوزہ اٹھا کر کہنے لگا۔ "میں پاس کے جھرنے سے پانی لے آؤں۔ آؤ سیدہ' آؤ نکہت! جھرنے تک ہو آئیں۔"

مہ جبیں اور بھی گھبرا گئی۔ اب وہ اور شہباز اکیلے رہ گئے تھے۔

تھوڑی دیر دونوں چپ رہے۔ بس یہی پس و پیش تھی شاید کہ کون پہل کرے! آخر شہباز ہی بولا۔ "گلفام بھائی جب مجھے دیکھنے آئے تھے تو انہوں نے بتایا تھا کہ تمہاری آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔"

مہ جبیں اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے دستر خوان کریدنے لگی پھر اس نے حیا کے بے حساب بوجھ سے لدی ہوئی پلکوں کو اٹھایا اور شہباز کی طرف دیکھ کر دھیمے لہجے میں کہنے لگی۔ "آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟"

"میں اس دن بچ گیا تھا مہ جبیں!" شہباز مسکرایا۔ "مجھے اس روز تم خواب میں نظر آئی تھیں۔ تم نے کہا تھا' آئندہ میں تمہارا رومال ہمیشہ اپنے ساتھ رکھوں۔ اس میں تمہاری محبت کی خوشبو ہے اور شاید اب تک مجھے تمہاری ہی محبت ڈھال بن کر بچاتی رہی ہے۔"

مہ جبیں نے نیم باز آنکھوں سے شہباز خان کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ "آپ باتنا خوب جانتے ہیں۔"

شہباز نے ہنس کر کہا۔ "مہ جبیں! میں تمہیں اپنا بنانے کی کوشش تو بہت کر رہا ہوں' اب دیکھو کب کامیابی ملتی ہے!" پھر اس نے اپنی جیب ٹٹولی اور بولا۔ "ارے ہاں' یہ تو میں بھول گیا!" اس نے جیب سے ایک گلوبند نکالا۔ "کیا میں یہ دینے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"

مہ جبیں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ کوئی اس طرف متوجہ نظر نہ آیا۔ لوگ اپنی اپنی دھن میں مست تھے۔ یہ الگ بات کہ پاس کے پیڑ کی آڑ میں کھڑی ہوئی گل سمن یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔ گل سمن کو یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔ اسے احساس ہوتا جا رہا تھا کہ مہ جبیں' شہباز ہی کی امانت ہے' نور خان سے محبت کرتی تو اس وقت شہباز خان کے لئے اس کی آنکھوں میں محبت کے چراغ روشن نہ ہوتے۔

"یہ گلوبند مجھے پہنانے کی آپ میں ہمت ہے؟" مہ جبیں یہ کہتے ہوئے مسکرائی۔

"ہاں' ہے مہ جبیں!" شہباز نے جواب دیا۔ پھر اس نے مہ جبیں کے پیچھے جا کر اسے گلوبند پہنا دیا۔

مہ جبیں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے۔ وہ جذبات سے بوجھل آواز میں بولی۔ "آپ اس کا مطلب سمجھتے ہیں؟"

"نہیں۔" شہباز شرارت سے کہنے لگا۔ "مطلب تم سمجھا دو۔"

مہ جبیں نے شرم سے اپنی گردن جھکا لی' پھر دوپٹے کو اس طرح اوڑھ لیا کہ گلوبند

قریب قریب چھپ گیا۔

"اسے تو تم نے ایسے چھپا رکھا ہے جیسے میں نے تمہاری صورت کو دل میں چھپا رکھا ہے۔" شہباز نے ہنس کر کہا۔

مہ جبیں بھی ہنس دی اور بولی۔ "ہمدردی اور محبت چھپانے سے بے قراری اور بڑھ جاتی ہے۔"

شہباز نے مہ جبیں کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو مہ جبیں! اس میلے میں آ کر ہم آج ایک اور چھپا ہوا گھاؤ لے کر جا رہے ہیں جو نہ دن میں چین لینے دے گا اور نہ رات کو!"

شہباز کے ہونٹوں کا لمس مہ جبیں کو دیوانہ کر گیا۔ اس کے سارے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار ایک عجب سانحہ' ایک عجیب سی لذت محسوس کی تھی جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔ اس کے کنوارے سپنوں میں کھلنے والا یہ پہلا پھول تھا۔ اس نے اپنے وجود کی گہرائی میں خوشبو کے ایک حصار کو پھیلتے اور سمٹتے محسوس کیا۔ جذبات کی شبنم جیسے گلاب کی پنکھڑیوں پر پھوار بن کر گر رہی تھی۔ اسی وقت کلفام کی آمد سے مہ جبیں کا یہ کنوارا سپنا ٹوٹ گیا اور وہ چونک اٹھی۔ کلفام کوزہ بھر کے لے آیا تھا۔

"ارے تم لوگوں نے ابھی تک کھانا بھی نہیں کھولا!" کلفام بولا۔

مہ جبیں نے جلدی جلدی کھانے کی پوٹلی کھولنا شروع کر دی۔

کھانا کھانے کے کافی دیر بعد تک سب بیٹھے بات چیت کرتے رہے۔ پھر شہباز اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک گھنٹا ہو چکا تھا۔ اسے اپنے ساتھیوں کا خیال آ گیا تھا کہ وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ چلتے وقت شہباز نے سب کو سلام کیا۔ مہ جبیں نے اپنی گوری کلائی اٹھائی اور آنکھیں جھکا کر سلام کیا۔ اس کے سلام کرنے کی ادا شہباز کے دل میں کسی میٹھے خنجر کی طرح اترتی چلی گئی۔

لوگ جب میلے سے رخصت ہونے لگے تو گل سمن نے موقع دیکھ کر مہ جبیں کو مخاطب کیا۔ "مہ جبیں بی! کیا میں چند لمحے آپ سے بات کر سکتی ہوں؟"

سب چونک اٹھے کیوں کہ گل سمن ان سبھی کے لئے اجنبی تھی۔ مہ جبیں نے بھی

حیرت سے گل سمن کو دیکھتے ہوئے سوچا کہ یہ میرا نام کیسے جانتی ہے؟

"کون ہیں آپ؟ کہئے کیا بات ہے؟" مہ جبیں بالآخر بولی۔

"اگر اجازت ہو تو میں آپ سے اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔" گل سمن نے کہا۔

"ہاں ہاں کر لیجئے۔" کلفام بول اٹھا۔ "ہم ہٹے جاتے ہیں۔" پھر وہ سب مہ جبیں کو چھوڑ کر دور ہٹ گئے۔

گل سمن نے مہ جبیں سے کہا۔ "غلط نہ سمجھنا بہن! جو کچھ میں نے ابھی کچھ دیر پہلے یہاں دیکھا اور سنا' اس سے مجھے یہ احساس ہوا کہ شہباز بھائی پر صرف آپ کا حق ہے اور شاید ان سے آپ کو کوئی چھین نہیں سکتا۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ نور خان اس افسانے میں کہاں آتے ہیں؟"

مہ جبیں کا چہرہ تمتما اٹھا۔ "نور خان محبت کو تلوار سے تراشنا چاہتے ہیں۔ ان سے میری آبرو شہباز خان نے بچائی اور میں اسی دن سے شہباز خان کی ہو گئی۔ شہباز خان کی مار کو شاید نور خان اب تک نہیں بھولے ہوں گے۔ مجھے جتنی محبت شہباز خان سے ہے اتنی ہی نفرت نور خان سے ہے۔ مگر آپ اس افسانے میں کہاں آتی ہیں؟" آخر میں مہ جبیں نے بھی گل سمن سے سوال کیا۔ وہ گل سمن کی حقیقت جاننا چاہتی تھی۔

گل سمن مسکرائی۔ "اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا اندیشہ غلط ثابت ہوا۔ بہن! میں بدنصیب' نور خاں کی منگیتر ہوں۔"

مہ جبیں یہ سن کر حیرت زدہ رہ گئی۔ اس نے ہمدردی سے گل سمن کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگی۔ "محبت اور ہوس میں بہت فرق ہوتا ہے بہن! میں یہی دعا مانگوں گی کہ نور خان کو اللہ سوچنے سمجھنے کی اہلیت دے' وہ برے اور بھلے میں امتیاز کر سکیں۔"

اس کے بعد مہ جبیں سلام کر کے چل دی۔ گل سمن کے سینے کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا مگر اسے اب ایک اور فکر لگ گئی تھی۔ نور خان وحشت کے دائرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ہوس کا غلام شخص' درندہ بن جاتا ہے۔ گل سمن واپسی کے لئے تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔ اس نے اب شرم و حیا چھوڑ کر نور خان سے واضح بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اسی سوچ میں آگے بڑھتی رہی۔

☆-----☆------☆

پشاور کی چمک دمک دیکھ کر نور خان بھونچکا رہ گیا۔ ذکا خیل قبیلے کا مانا ہوا مخبر نصیر خان اسے پشاور میں گھما رہا تھا۔ دوسرے دن اسے چھاؤنی میں لے جانا تھا جہاں پولیس چوکی دکھانا تھی۔ شام عجیب رونق سے پُر تھی۔ کہاں بیہتر قبیلوں کے گرداگرد بے زبان پہاڑ اور تھما تھما سا ماحول اور کہاں شہر کی رونقیں! نصیر خان اسے گھماتا ہوا ایک جوئے خانے میں لے گیا۔ وہاں روشنی اتنی مدھم تھی کہ نور خان کو ایسا لگا جیسے ایک نشیلا اندھیرا ہر طرف چھایا ہوا ہو۔ جگہ جگہ میزوں پر جواری اپنے جام لیے تاش کھیلنے میں مصروف تھے۔ دوسرے کمرے میں اسٹیج پر ایک حسین و نوجوان لڑکی پشتو زبان میں غزل گا رہی تھی۔ سرخ اور نیلی روشنی کی پھوار جب اس پر پڑی تو وہ جنت کی حور سی لگنے لگی۔ نصیر خان کو دیکھتے ہی اس نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔

نور خان یہ دیکھ کر للچایا اور نصیر خان سے بولا۔ "تمہیں یہ جانتی ہے نصیر خان؟"

"جانتی ہی نہیں مانتی بھی ہے پیارے!" نصیر خان نے آنکھ مار کر جواب دیا۔ "پروگرام کے بعد اس سے تمہیں ملواؤں گا۔ چمن کا انگور اس کے آگے پھیکا پڑ جاتا ہے دوست!" یہ کہتے ہوئے اس نے معنی خیز انداز میں نور خان کا ہاتھ دبایا۔

پھر نصیر خان نے نور خان کے لئے شراب و کباب کا بندوبست کر دیا۔

بوتل دیکھ کر نور خان پوچھنے لگا۔ "کیا یہ شراب ہے نصیر بھائی؟"

"نہیں' یہ انگور کی بیٹی ہے برادر!" نصیر خان ہنس کر بولا۔ "اس کے پینے کے بعد جب اسٹیج والی زیب النساء سے تم ملو گے تو پیارے تمہیں زندگی میں ہر طرف رنگ ہی رنگ بکھرے ہوئے نظر آئیں گے۔"

نور خان نے اس سے پہلے کبھی شراب نہیں پی تھی۔ وہ کبھی بوتل کو دیکھتا اور کبھی اسٹیج پر ناچتی گاتی زیب النساء کو۔ جب کبھی وہ زیب النساء کی طرف نظر اٹھاتا' اس کے اندر سے ایک عجیب سی لفگی پھوٹنے لگتی۔

نصیر خان نے اس کا گلاس شراب سے بھر دیا۔ "اسے ایک ہی سانس میں ختم کرتے ہیں نور بھائی!" نصیر خان نے کہا۔ "صرف عورتیں دھیرے دھیرے شراب پیتی ہیں۔ تم تو مرد ہو' نا نور بھائی!"

نور خان عجیب پس و پیش میں پڑ گیا۔ پھر آخر کار اس نے زیب النساء کی طرف دیکھتے ہوئے گلاس اٹھا ہی لیا اور ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر دیا۔ وہ اپنی مردانگی پر کوئی الزام برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے اس نے پگھلی ہوئی آگ اپنے حلق میں انڈیل لی ہو۔ اس کی رگیں اور نسیں ابھر آئیں اور انگ انگ سے انگارے پھوٹنے لگے۔ اسے ایسا لگا جیسے اس کے اندر کسی نے ہمت کوٹ کوٹ کر بھر دی ہو۔ وہ مصنوعی جرأت سے بولا۔ "تم نے آج مجھے جنت کی سیر کرائی ہے اور وہ........ کیا بتایا تم نے.......... ہاں زیب النساء! کیا بات ہے اس کی! اس کے آگے مہ جبیں اور گل سمن سب گرد ہیں۔"

نصیر خان چونک اٹھا۔ اس نے دوبارہ نور خان کا گلاس شراب سے بھر دیا اور کہا۔ "قبیلوں کی جنگلی عورتوں کا اس سے کیا مقابلہ نور بھائی! ابھی تو میں نے تمہیں ایک ہی زیب النساء دکھائی ہے' اس سے بہتر نگینے جب دکھاؤں گا تو تمہارا دل بلبل کی طرح پھدکنے لگے گا۔"

نور خان اپنی نشیلی آنکھوں کو پھیلاتا ہوا مسکرانے لگا۔

"چلو اٹھو' اب زیب النساء کا پروگرام ختم ہونے والا ہے۔" نصیر خان بولا۔ "تمہیں شمع سے ملوا دوں' میرے پروانے!"

نور خان لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ "ہم شمع کے پہلو میں جا کر اپنے پر جلا دیں گے نصیر بھائی! چلو ہمیں اس کی آغوش میں گرا دو۔"

نصیر خان نے پہلے سے سب کو پڑھا رکھا تھا۔ حکومت کی طرف سے اسے دو سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ نیا مخبر بنانے پر سو روپے الگ سے ملتے تھے۔ نیا مخبر بنانے پر جو اخراجات ہوتے تھے' وہ الگ ایک فنڈ سے ادا کیے جاتے تھے۔ نصیر خان چاہتا تھا کہ دریائے کابل کے آس پاس بسنے والے قبیلوں کے چوٹی کے سرداروں کو پکڑوا دیا جائے۔ اس کا اسے بھاری معاوضہ مل سکتا تھا۔ سب سے زیادہ دلچسپی اسے شہباز سرباز کی گرفتاری سے تھی۔ شہباز کو زندہ یا مردہ گرفتار کرانے والے کے لئے حکومت دو ہزار روپے نقد کا اعلان کر چکی تھی۔ شہباز سے نور خان کی نفرت کا اسے علم ہو چکا تھا اسی لیے اس نے نور خان پر شراب کا حسین جال پھینکا تھا اور نور خان اس جال میں پھنس چکا تھا۔

جب نور خان اور نصیر خان' زیب النساء کے کمرے میں پہنچے تو نور خان ترشے ہوئے اس بدن کو ندیدوں کی طرح دیکھنے لگا۔ کمرا بہت اچھی طرح سجا ہوا تھا۔ چاروں طرف کمرے کی دیواروں پر عورتوں کی ایسی تصاویر لگی ہوئی تھیں کہ جن سے جذبات میں اشتعال پیدا ہو جائے۔

ہلکی نیلی روشنی سے ایک کیف سا برس رہا تھا۔ زیب النساء نے مسکرا کر نور خان کو سلام کیا۔ اس کے حسین جسم پر اس وقت باریک کپڑے کا ایک گاؤن تھا جو اس کے قیامت خیز جسم کو چھپانے کے بجائے اور بھی نمایاں کر رہا تھا۔ نور خان اسے مبہوت سا ہو کر دیکھے جا رہا تھا۔

زیب النساء نے کمرے میں موجود ایک الماری کھول کر شراب کی بوتل نکال لی اور پھر تین پیگ بنائے پھر اس نے اپنا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ جب اس نے ہونٹوں سے گلاس ہٹایا تو گلاس خالی ہو چکا تھا۔ وہ ایک ہی سانس میں پورا گلاس پی گئی تھی۔

"تم نے کیا شیر کا دل پایا ہے جان من!" نور خان نے اس کے حوصلے کی داد دی۔

نصیر خان نے اپنا پیگ ختم کر کے نور خان سے کہا۔ "تم یہیں آرام کرو۔ کل صبح ہم یہیں ملیں گے۔"

نور خان کے چہرے پر یہ سن کر بہار سی آ گئی۔ اس نے چھوٹے کو بھی نصیر خان سے مزید کچھ دیر رکنے کو نہ کہا۔

"اچ.........چھا.........تو تا.........ناصیر بھائی۔" نور خان لڑکھڑاتی زبان سے بولا۔ "کال صبایاں ہی می لیں گے۔"

رہا سہا جادو اس پر زیب النساء نے کر دیا۔ نور خاں چوتھے پیگ میں بے جان سا ہو کر لڑھک گیا۔ اس نے اپنے دل میں زیب النساء سے قرب کے جو ارادے باندھے تھے' دل کے دل ہی میں رہ گئے۔ زیب النساء نے آواز دے کر دو نوکروں کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔

"اس خنزیر کو پچھلے کمرے میں ڈال دو!" زیب النساء نے نوکروں کو حکم دیا۔ "شمع کا پروانہ بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ سؤر کا بچہ!"

دونوں نوکروں نے نور خان کو اناج کی بوری کی طرح اٹھایا اور پچھلے کمرے میں

پھینک کر چلے گئے۔ ہتھیار اٹھانے سے پہلے ہی نور خان ہوس کی جنگ ہار گیا تھا۔ بغیر کوئی مشقت اٹھائے اس رات زیب النساء کو رات بھر کا معاوضہ مل گیا تھا۔ نصیر خان سے وہ آج رات کے لئے پہلے ہی پیشگی رقم وصول کر چکی تھی۔ اسے بھی معلوم تھا کہ یہ رقم نصیر خان کی جیب سے نہیں' حکومت کی جیب سے نکلی ہے۔

نور خان صبح اٹھا تو اس کے سر میں ہلکا ہلکا سا درد ہو رہا تھا۔ یہ پہلی ہی بار بلانوشی کا نتیجہ تھا۔ وہ یہ سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں کہاں ہوں؟ تھوڑی دیر میں ایک نوکر اس کے لئے چائے لے کر آ گیا۔

نور خان نے اس کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لیتے ہوئے پوچھا۔ "میں کہاں ہوں؟"

"آپ زیب النساء بانو کے دولت خانے میں ہیں خان صاحب!" نوکر نے سلیقے سے جواب دیا۔

نور خان اپنے ذہن پر زور دینے لگا پھر اسے دھندلی دھندلی یادوں کے بادل امنڈتے نظر آئے۔ "ہاں یاد آیا' مجھے یہاں نصیر خان لے کر آئے تھے۔"

"جی ہاں۔" نوکر نے تصدیق کی۔ "خان صاحب! آپ نہا دھو لیں' نصیر خان آنے ہی والے ہوں گے۔"

نور خان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے قدم اب بھی بہک رہے تھے۔

کوئی آدھے گھنٹے میں نور خان نہا دھو کر تیار ہو گیا۔ تبھی نصیر خان اور زیب النساء آ گئے۔ نور خان' زیب النساء کو دیکھ کر کھل اٹھا۔ اسے اتنا یاد تھا کہ زیب النساء نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر چوتھا پیگ جبراً پلایا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا' نور خان کو کچھ معلوم نہ تھا۔

"نور خان!" زیب النساء ایک ادائے خاص سے نور خان کو بے وقوف بنانے کے لئے بولی۔ "رات کو تو تم نے مجھے تھکا ہی ڈالا تھا۔"

نور خان بے غیرتی سے ہنسنے لگا۔ وہ واقعی بے وقوف بن گیا کہ اسے زیب النساء کا قرب حاصل ہو چکا ہے۔

"اچھا اب اٹھو نور بھائی' دیر ہو رہی ہے۔" نصیر خان نے کہا۔

"اپنے اس دوست کو پھر کسی رات لے کر آنا نصیر خان!" زیب النساء مسکرا کر

بولی۔

"ضرور ضرور! میں پھر آؤں گا۔" نصیر خان کی بجائے نور خان بول اٹھا۔

اسی طرح اُلّو بنتے! زیب النساء دل ہی دل میں بولی۔ پھر نور خان کو لے کر نصیر خان باہر آگیا۔

"کیسی تھی زیب النساء؟" نصیر خان نے باہر نکلتے ہی سوال کیا۔ "تم یوں ہی تو نہیں سو گئے تھے؟"

"یونہی کیسے سو جاتا!" نور خان اکڑ کر بولا۔ "مردانگی پر حرف نہ آ جاتا! تم نے خود اس کی زبانی سن لیا ہے کہ میں نے اسے تھکا دیا تھا۔" نور خان جان بوجھ کر شیخی بگھار رہا تھا حالانکہ اسے واقعی کوئی ہوش نہیں تھا۔

"میں تو اس لئے کہہ رہا تھا کہ وہ بڑی حرافہ ہے۔" نصیر خان نے بتایا۔ "اکثر ناتجربہ کار نوجوانوں کو یونہی باتوں میں بہلا کر ٹرخا دیتی ہے۔ خیر تمہارے ساتھ ایسا نہیں ہوا' یہ اچھا ہوا۔ آج رات تمہیں ایک اور ہیرا دکھاؤں گا۔"

"تم کتنے پیارے اور عظیم دوست ہو نصیر خان!" نور خان کا چہرہ کھل اٹھا۔

نصیر خان اسے چھاؤنی کی چوکی پر لے جا رہا تھا۔ چوکی کا داروغہ عبدالشناس تھا۔ جلد ہی وہ دونوں چوکی میں داروغہ کے سامنے بیٹھے تھے۔ سلام دعا کے بعد داروغہ نے نصیر خان اور نور خان کو تگڑا ناشتہ کرایا۔ داروغہ کی خاطرداراتسے نور خان اور پھول گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے انگوٹھے کے نشانات کئی کاغذوں پر لگائے گئے۔ پھر داروغہ نے نصیر خان کو ہدایت دی کہ وہ بازار میں جا کر اس کی ارجنٹ تصویر بھی کھنچوا کر لے آئے۔

تصویر کھنچواتے وقت نور خان بہت خوش تھا۔ اس سے قبل اس کی کوئی تصویر نہیں کھنچی تھی۔ جب تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے اپنی تصویر کا گیلا پرنٹ دیکھا تو اسے دیکھ دیکھ کر خوشی سے ناچنے لگا۔ وہ اس بات سے لاعلم تھا کہ یہ سب اس کی تباہی کا بندوبست ہو رہا ہے' مستقبل میں یہی تصویر اس کے لئے مصیبت بن جائے گی اور اس وقت کی خوشی اسے بہت مہنگی پڑے گی۔

نور خان کو عارضی مخبری کے لئے رکھا گیا۔ اس سے کہا گیا کہ جیسے جیسے اس کی لائی ہوئی کوئی خبر رنگ لائے گی' اسے ویسے ہی پیسے ملیں گے۔ جال کو مزید مضبوط بنانے کے

لئے نصیر خان نے داروغہ سے پچاس روپے پیشگی دلوا دیے تھے۔ تصویر لگا ہوا ایک پاس بھی اسے دے دیا گیا تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ حکومت کے لئے مخبری کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

شام کو نصیر خان اسے دوسرے قمار خانے اور ناچ گھر میں لے گیا۔ یہ پہلے والے قمار خانے سے کہیں زیادہ بڑا تھا۔ یہاں ہلکے لال رنگ کی روشنی ہو رہی تھی۔ میزوں پر لوگ ڈٹے ہوئے تھے۔ جس میز پر نور خان کو نصیر خان نے بٹھایا' اس کے ساتھ والی میز پر پٹھانوں نے کھسر پھسر شروع کر دی۔

"رحمت! اب کے نصیر خان یہ کسے پھنسا لایا ہے؟" ایک پٹھان نے اپنا جام اٹھاتے ہوئے اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔

"نصیر خان دراصل شہباز سرباز کے پیچھے پڑا ہوا ہے یار!" رحمت خان نے جواب دیا۔ "اگر کامیاب ہو گیا اور شہباز سرباز کو اس نے پکڑوا دیا تو دو ہزار روپے انعام کے علاوہ دو چار بیگھے زمین بھی ڈکار لے گا۔"

"لیکن سرباز کو تو لوگ بہت چاہتے ہیں۔" پہلے والا پٹھان بولا۔ "وہی تو ایک شیر کا بچہ ابھی انگریز کے ہاتھ نہیں لگا۔ انعام کا اعلان بھی تو اسی لیے کیا گیا ہے۔ چھ مہینے سے نصیر خان' سرباز کو پکڑوانے کے لئے مخبر ڈھونڈ رہا ہے۔ سرباز سے اس نئے پنچھی کی ضرور کوئی رنجش ہو گی۔"

اب کی بار میز پر بیٹھے ہوئے تیسرے پٹھان نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"ایک قبیلے کے سردار کی بیٹی کو یہ جبراً اڑا رہا تھا۔ شہباز سرباز نے اس لڑکی کو بچا لیا اور پھر جیسا کہ ہوتا ہے' پہلے ہمدردی ابھری اور یہی ہمدردی بعد میں محبت میں تبدیل ہو گئی۔"

"تو پھر یہ شہباز سرباز کا رقیب ہوا!" دوسرا پٹھان کہنے لگا۔

"اور کیا' رقیب رُو سیاہ!" تیسرے پٹھان نے کہا اور وہ زور سے ہنسنے لگا۔

نصیر خان نے شراب پلا کر نور خان کو جوا کھلوایا۔ یہ سب نصیر خان کے جانے پہچانے لوگ تھے۔ پہلے سے سب کچھ طے تھا۔ کوئی گھنٹے بھر کے کھیل کے اندر اسی لیے نور خان دو سو روپے جیت گیا۔ نصیر خان بڑے اطمینان سے نپی تلی چال چل رہا تھا۔ شراب کا شوق' پھر جوئے میں جیتنے کا لالچ! دونوں ہی خطرناک قدم تھے مگر مخبر کو ان کی

چاٹ لگانا ضروری تھا۔ نصیر خان اچھی طرح جانتا تھا کہ جب شراب اور جوئے کے لئے جیب میں پیسے نہیں ہوں گے تو نور خان جان جوکھوں میں ڈال کر خبریں لائے گا۔ گزشتہ رات ہی نصیر خان نے اسے عورت کا چسکا لگانا چاہا تھا مگر وہ اس بات سے بے خبر رہا تھا کہ زیب النساء نے نور خان کو اُلو بنا دیا تھا۔ اسے یہ شک تھا ضرور! وہ اسی لئے آج نور خان کو دوسری جگہ پر لے آیا تھا۔ رخسانہ پر اسے پورا بھروسہ تھا کہ وہ اپنے پیشے سے بددیانتی نہیں کرتی۔ آج رات نور خان کے لئے رخسانہ طے ہو چکی تھی۔ رخسانہ بھی رقاصہ تھی۔ وہ اسی قمار خانے میں رقص کرتی تھی۔

نور خان جب پشتو میں وصال یار کا ایک گیت لڑکھڑاتی زبان میں گاتا ہوا نصیر خان کے ساتھ رخسانہ کے کمرے میں رات گئے داخل ہوا تو اسے رخسانہ' زیب النساء سے زیادہ حسین نظر آئی اور یہ حقیقت بھی تھی۔ رخسانہ کی عمر ابھی صرف اٹھارہ سال تھی۔ اس کی نازک سی کمر میں جب نور خان نے ہاتھ ڈالا تو نصیر خان نے اجازت چاہی۔

نور خان آوارہ ضرور تھا مگر اس رات سے پہلے اسے کسی لڑکی کا قرب حاصل نہیں ہوا تھا۔ رخسانہ کو بھی جلد ہی نور خان کے اناڑی پن کا احساس ہو گیا۔ رخسانہ کے لئے یہ خیال بہت حسین و خوشگوار تھا کہ آج وہ ایک ایسے مرد کو اپنی بانہوں میں لے رہی تھی جو کنوارا تھا۔ اس نے بہت آہستہ آہستہ اپنے حجابات کے پردے اٹھانا شروع کیے۔ نور خان کو اس نے جلد بازی سے روک دیا۔ اپنی دانست میں نور خان کو اس نے بہت سنبھال کے خرچ کیا۔ نور خان اسی لیے اس کا دیوانہ ہو گیا۔ صبح ہونے تک رخسانہ نے اسے کئی بار کیف و نشاط کے جہانوں کی سیر کرائی۔ نور خان نہال ہو گیا۔

صبح ہوتے ہی نصیر خان آ گیا اور ہنستے ہوئے' گزری ہوئی رات کا ماجرا دریافت کیا۔

نور خان نے اسے گلے لگا کر پیار کر لیا۔

"ارے چھوڑو یار! میں رخسانہ نہیں ہوں۔" نصیر خان ہنس کر بولا۔

نور خان نے اسے چھوڑ دیا اور کہنے لگا۔ "دو روز سے میں گھر نہیں گیا ہوں۔ بابا فکر کرتے ہوں گے۔ آج سوچتا ہوں' گھر ہو آؤں اور انہیں بتا دوں کہ میں نے پشاور میں پھلوں کی تجارت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح کچھ پیسا بھی ہاتھ آ جائے گا۔"

نصیر خان یہ سن کر خوش ہو گیا۔ "پھلوں کی دکان میں ساجھے داری میں تمہیں دلوا

دوں گا مگر دوست' اپنے گھر کا پیسا کیوں برباد کرتے ہو! پیسا تو خود تمہارے قدم چومنے کو بےتاب ہو رہا ہے۔ کوشش تو کر دیکھو۔ شہباز خان سرباز کو ایک دفعہ جال میں پھنسوا دو اور پھر مدتوں عیش کرتے رہو۔ اس کے بعد تمہارے لیے پیسے کی کوئی کمی نہیں رہے گی۔"

نور خان کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ پشاور سے چل دیا۔

☆-----☆------☆

میلے سے واپس آ کر شہباز کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی زندگی میں بہاریں گنگنانے لگی ہوں' رقص کرنے لگی ہوں۔ مہ جبیں کی اداؤں نے اس کے دل کی دنیا لوٹ لی تھی۔ جب بھی وہ اکیلا ہوتا' مہ جبیں کا حسین سراپا اس کی آنکھوں میں گھومنے لگتا۔ وہ کہیں کھو جاتا۔

سب سے پہلے اس پر شہباز کے ایک ساتھی انور نے اسے ٹوکا تھا۔ "سردار! تم کھوئے کھوئے سے رہنے لگے ہو۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ تم اکیلے میں آپ ہی آپ بڑبڑانے لگتے ہو جیسے درختوں سے باتیں کر رہے ہو۔"

شہباز جھینپ گیا۔ "تم نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا انور! چلو آج کالے پہاڑ کے علاقے کی طرف چلا جائے۔"

پھر دھول اڑاتی ہوئی گھوڑوں کی قطار اسی دم نکل پڑی۔

کالے پہاڑ کے درے سے کچھ نہ کچھ آتا ہی رہتا تھا۔ کوئی گھنٹے بھر بعد دو گھوڑا گاڑیاں دھول اڑاتی ہوئی دکھائی دینے لگیں۔ ان دونوں گھوڑا گاڑیوں کے ساتھ میں صرف چھ سوار تھے۔

"معلوم ہوتا ہے زیادہ مال و اسباب نہیں ہو گا۔" شہباز نے خیال آرائی کی۔

"دیکھے لیتے ہیں۔" اس کے قریبی ساتھی نے اجازت چاہی۔ شہباز نے اشارے سے اجازت دے دی۔

آناً فاناً اپنے سردار کا اشارہ پاتے ہی ان دونوں گھوڑا گاڑیوں کو گھیر لیا گیا۔ گھوڑا گاڑیوں میں انگریز عورتیں تھیں جو لنڈی کوتل جا رہی تھیں۔ پٹھانوں کے گروہ کو دیکھ کر دو ایک بوڑھی انگریز عورتیں تو وہیں بے ہوش ہو گئیں۔ پیچھے والی گھوڑا گاڑی سے ایک

ہمت کر کے اتری۔ اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے جو یقیناً خوف ہی کا اثر تھا۔ اترتے ہی اس نے شہباز کو پہچان لیا۔ وہ مسز کاکرن یعنی یوریٹا تھی۔

شہباز خان کو دیکھ کر یوریٹا کے اوسان قدرے بحال ہوئے اور اس نے کہا۔ "تم شہباز سرباز ہی ہو نا؟"

"ہاں بیگم صاحبہ!" شہباز نے مسکرا کر جواب دیا۔ "اور آپ ہمارے مہمان دوست میجر صاحب کی بیگم ہی ہیں نا؟"

مسز کاکرن نے اثبات میں سر ہلایا' پھر بولی۔ "ہم ایسٹر کے تہوار کی تیاریاں کر کے لوٹ رہے ہیں۔"

شہباز ہنسا۔ "ٹھیک ہے' بیگم صاحبہ! ہم لوٹنے کے ارادے سے گھر سے نکلے ہیں۔"

شہباز نے دیکھا کہ مسز کاکرن کے اوسان خطا ہونے لگے ہیں تو آگے بڑھا۔ "مگر گھبرائیں نہیں' ہم عورتوں کو نہیں لوٹتے ہیں۔ آپ کے ساتھ جو یہ چھ سوار اپنے کاندھوں پر رائفلیں لٹکائے ہوئے ہیں اور ہمارے ساتھیوں کے نشانے پر ہیں' ہم ان کی رائفلیں لے سکتے ہیں مگر ہم یہ بھی نہیں لیں گے کیوں کہ یہ آپ کے محافظ بن کر ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا کیا جائے؟ خالی ہاتھ لوٹنا ہمارے لیے یہاں خراب شگون مانا جاتا ہے۔"

اس دوران میں کیپٹن جیمس کی بیوی بھی مسز کاکرن کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے شہباز کی بات سنتے ہی اپنی کلائی سے جڑاؤ بریسلیٹ اتارنا شروع کر دیا۔ اسی کی دیکھا دیکھی اور عورتیں بھی اپنے زیورات اتارنے لگیں۔

"یہ لو!" مسز جیمس مرتعش آواز میں کہنے لگی۔ "ہم اپنے زیورات تمہیں دے رہے ہیں۔"

شہباز نے ہنس کر مسز کاکرن سے پوچھا۔ "آپ کی تعریف؟"

"یہ کیپٹن جیمس کی بیگم ہیں۔" مسز کاکرن نے بتایا۔ "انہی کی بچی کے تاوان کی رقم آپ نے لوٹا دی تھی۔"

شہباز نے مسکرا کر مسز جیمس کو سلام کیا۔ "میری طرف سے اپنی بچی کو پیار کیجیے گا بیگم صاحبہ! وہ گڑیا کیسی ہے؟ اس دن تو اسے دیکھ کر مجھے یوں لگا تھا جیسے وہ گلاب کی

مرجھائی ہوئی کلی ہو۔" پھر اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا۔ "مجھے بڑا افسوس ہو رہا ہے کہ آپ لوگ شہباز کو اس قدر ذلیل سمجھتے ہیں۔ ہم بھلا آپ بیگمات کے زیورات کس طرح لے سکتے ہیں! مجبور و بے بس عورتوں کے ساتھ یہ سلوک ہماری نظر میں انتہائی پست ہے۔ پھر بھی ہم خالی ہاتھ نہیں لوٹیں گے۔ یہ بات اپنی جگہ طے ہے۔ ایک بات دماغ میں آئی ہے' آپ کہیں تو عرض کروں؟"

بیگمات کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ مسز کاکرن ہمت کر کے بولی۔ "کون سی بات آئی ہے آپ کے دماغ میں کہہ دیں۔"

شہباز مذاق کے موڈ میں تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "آپ نے اپنے صاحب کو میرے ہاتھوں جو کیک بھجوایا تھا' اس میں سے آدھا انہوں نے مجھے دے دیا تھا۔ آج بھی جب مجھے اس کا ذائقہ یاد آتا ہے تو میں چٹخارے لینے لگتا ہوں۔ اگر آپ کے پاس کیک ہو تو مجھے دے دیجیے گا مگر ہم آپ سے چھینیں گے نہیں' صرف مانگیں گے۔"

سب کے چہروں پر خون واپس دوڑنے لگا۔ مسز جیمس بولی۔ "میرے ٹفن کی ٹوکری میں پورے کا پورا کیک پڑا ہے' آپ ضرور لے لیجیے۔" پھر وہ بھاگ کر گئی اور کیک اٹھا لائی۔

مسز کاکرن نے کہا۔ "افسوس کہ میرے والا کیک راستے میں کھایا جا چکا ہے مگر میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر ممکن ہوا تو آپ کو ایک یا دو کیک اپنے ہاتھ سے بنا کر بھجوا دوں گی۔"

شہباز نے کیک لے لیا اور ہنس کر بولا۔ "اس کے عوض ہم آپ کو کیا دے سکتے ہیں؟"

سب گھبراہٹ اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے تحت کہنے لگیں کہ ہمیں کچھ بھی نہیں چاہیے' کچھ بھی نہیں!

"اچھا تو اس کے عوض ہم آپ کو درے کے آخری سرے تک حفاظت سے چھوڑ کر آئیں گے۔" شہباز بولا۔

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ شہباز کی خوب صورت شکل اور پتھر کا ترشا ہوا جسم ان کی آنکھوں میں بس گیا۔

درے کے سرے پر انہیں چھوڑتے ہوئے شہباز نے کہا۔ "آپ لوگوں کو میں ایک اور مشورہ دیتا ہوں۔ مغرب کے وقت کبھی آئندہ سفر مت کیجئے گا۔ میجر صاحب اور کپتان صاحب کو میرا سلام کہئے گا۔"

راستے میں مسز کاکرن سے مسز جیمس نے کہا۔ "میری بڑی تمنا تھی کہ شہباز سرباز کو کبھی دیکھوں۔ آج وہ تمنا پوری ہو گئی۔ میں نے آج خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ شہباز مردانہ وجاہت کا بے مثل شاہکار ہے' لوگ غلط نہیں کہتے۔ اس کے چوڑے سینے میں ہرن کے بچے جیسا نرم دل ہے۔"

"تو کیا ارادے ہیں؟" مسز کاکرن شرارت سے بولی۔ "سنا ہے وہ ابھی تک کنوارا ہے۔"

"تو میں کیا کروں!" مسز جیمس جھینپ گئی۔ "کسی کی تعریف کرنے کا مقصد صرف ایک ہی نہیں ہوتا۔"

سب کی سب انگریز خواتین راستے بھر شہباز ہی کی شرافت اور اخلاق و مروت کے گن گاتی ہوئی لوٹیں۔ اپنے اپنے گھر پہنچ کر انہوں نے اپنے شوہروں سے یہ واقعہ بیان کیا۔

آفیسرز میس میں میجر کاکرن نے شراب کا جام اٹھا کر کہا۔ "یہ پیگ ہم اپنے دوست اور دشمن شہباز سرباز کے لیے پئیں گے۔"

سب نے اپنے اپنے جام ٹکراتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ "ٹو شہباز سرباز' اور فرینڈ اینڈ اینی می!"

☆ ☆ ☆

گل سمن جب میلے سے لوٹ کر آئی تو اسے خوشی بھی تھی اور رنج بھی! خوشی تو اسے اس بات کی تھی کہ مہ جبیں کی طرف سے نور خان کے لئے کوئی شعلہ عشق نہیں بھڑکا تھا بلکہ ایک نفرت کی چنگاری اڑی تھی جس کی حرارت گل سمن نے نور خان کی منگیتر ہونے کے ناطے اپنے دامن دل پر محسوس کی تھی اور پھر اس کا سر شرمندگی سے جھک گیا تھا۔ رنج اسے یہ تھا کہ قبیلے کا ہونے والا سردار اس قدر پست کردار کا تھا کہ اسے اچھے اور برے' حرام اور حلال تک کا امتیاز نہیں رہا تھا۔ گل سمن سیدھی نور خان کے گھر

پہنچی تو اسے معلوم ہوا کہ شاید وہ پشاور گیا ہوا ہے۔

گل سمن لوٹ کر آئی تو اسے پیڑ کے نیچے پوٹلی دبانے کی بات یاد آئی۔ وہ رات بھر کروٹیں بدلتی رہی اور پھر منہ اندھیرے جا کر اس جگہ کو بیلچے سے کھودنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ اس کام کو انجام دے سکی۔ جب اس نے پوٹلی کھول کر دیکھی تو اس میں چاندی کے ٹکسالی روپے بھرے ہوئے تھے۔ جلدی سے اس نے گڑھا بھر دیا اور پوٹلی گھر میں لے آئی۔ اگلے دن جب اس کی ماں بازار سے سودا لینے گئی تو گل سمن نے روپے گنے۔ پورے دو ہزار روپے تھے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اب کیا کیا جائے؟ اس نے فیصلہ کیا کہ روپوں کی پوٹلی کو نور خان کے گھر کے عین سامنے والے پیڑ کے نیچے دبا کر آئے گی۔ وہیں تخت بچھائے ہوئے سردار بلال خان حقہ پیا کرتے تھے اور گاؤں والوں سے ادھر اُدھر کا حال احوال سنتے تھے۔

رات کو گل سمن نے روپوں کی پوٹلی کو سردار کے تخت کے نیچے گاڑ دیا اور پھر زمین ہموار کر کے واپس آ گئی۔ دوپہر کو وہ بے چینی سے عیدو خان کو تلاش کر رہی تھی۔ اسے یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ آخر نور خان کس وجہ سے پشاور گیا ہے؟ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہے۔

ہرچند کہ عیدو خان' نور خان کے بچپن کا دوست تھا مگر جب نور خان پشاور گیا تو اس نے عیدو خان تک کو اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا۔ عیدو خان کو اس کا بہت ملال تھا۔ وہ اسی لیے خاموشی سے نور خان کے تعاقب میں چل دیا۔ نصیر خان کی صحبت میں نور خان نے کیا کیا گل کھلائے' اسے سب کچھ معلوم تھا۔ عیدو سمجھ گیا کہ نور خان' شہباز کی عداوت میں اندھا ہو گیا ہے اور وہ قبیلے کا ایمان تک بیچنے پر تل گیا ہے۔ عیدو' نور خان کا خاص دوست تھا۔ نور خان ہی نے اسے دوستی میں ایک دو نالی بندوق بھی بطور تحفہ دی تھی۔ عیدو نے یہ بھی ضمیر کے ترازو میں تول کر دیکھا کہ شہباز خواہ دشمن ہی سہی مگر تھا واقعی سرباز! لوگوں نے اسے غلط خطاب نہیں دیا تھا۔ عیدو بھی بہادری کا قدر شناس تھا۔ کیپٹن جیمس کی بیٹی والا قصہ وہ بھولا نہیں تھا۔ اس کے دل سے شہباز کے لئے واہ واہ نکلی تھی جس نے اپنے پاس سے تاوان کی رقم ادا کی تھی حالانکہ وہ چاہتا تو یہ رقم نہ دیتا۔ عیدو دیکھ رہا تھا کہ اب نور خان اپنے بزرگوں کے کفن کا سودا کر رہا تھا۔ عیدو نے نور خان سے

الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

جب نور خان پشاور سے لوٹ آیا تو عیدو اس سے ملا اور پوچھا۔ ”کہاں گئے تھے سردار؟“

نور خان نے چونک کر جواب دیا۔ ”پشاور گیا تھا عیدو! میرا ارادہ اب پھلوں کی دکان کرنے کا ہے۔ لوٹ کھسوٹ میں کچھ بھی نہیں رکھا۔“

عیدو نے یہ سن کر طویل سانس لیا اور بولا۔ ”یہ تم نے نیک بات سوچی سردار! واقعی لوٹ مار میں کیا رکھا ہے!“ پھر اس نے دو نالی بندوق اٹھا کر نور خان کو واپس دیتے ہوئے کہا۔ ”آپ کی امانت لوٹا رہا ہوں سردار!“

نور خان چونکا۔ وہ کچھ اور ہی سمجھا تھا۔ ”تو کیا پشاور میں تم میرے ساتھ ہاتھ بٹاؤ گے؟“

عیدو بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ ”نہیں سردار! آپ کا ہاتھ بٹانے کے لئے تو زکا خیل کا نصیر خان مل ہی گیا ہے۔ میں کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گا۔“

نور خان نے تڑپ کر عیدو کے منہ پر طمانچہ مارا۔ ”تو تو مخبری اور جاسوسی بھی کرنے لگا ہے!“

طمانچہ اتنا زوردار تھا کہ عیدو کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا۔ اس نے ہونٹ کے کنارے سے خون پونچھتے ہوئے کہا۔ ”سردار! میری ایسی کہاں ہمت کہ مخبری کروں! مخبری تو بڑے بڑے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔“ یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

نور خان سانپ کی سی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

چلتے وقت عیدو نے قسم کھا کر کہا۔ ”سردار! میں تمہارا یہ راز کسی پر ظاہر نہیں کروں گا۔“ اس کا اشارہ مخبری کی طرف تھا۔

اسی روز شام کو عیدو اپنے گھر کی دہلیز پر اداس بیٹھا تھا کہ گل سمن آ گئی۔ گل سمن نے عیدو کی طبیعت اچاٹ دیکھی، پھر بھی اسے جو بات پوچھنا تھی پوچھ ہی لی۔ اس نے دریافت کیا۔ ”کیوں عیدو بھائی، نور خان کہاں گیا تھا؟“

”نور خان پشاور میں پھلوں کی تجارت کرنے والا ہے اور شاید وہ وہیں بس بھی جائے۔“ عیدو نے جواب دیا۔

یہ سن کر گل سمن پر جیسے بجلی گر گئی۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اس نے دو ہزار روپے کی بات چھیڑ دی۔

عیدو چونک اٹھا اور بولا۔ ”شہباز کتنا نیک دل اور بہادر ہے‘ یہ میں نے آج جانا۔ ایسے بہادر کے ساتھ رہنا میرے لیے باعث فخر ہو گا۔“ پھر عیدو نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ گل سمن کچھ دیر بعد چلی گئی۔

عیدو نے جو فیصلہ کیا تھا‘ اس پر عمل کرنے کی خاطر چند ہی روز بعد وہ اُرک زئی قبیلے کی جانب اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر اڑا جا رہا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ آج شہباز کے گروہ میں شامل ہو جائے گا۔ نور خان اس کے بچپن کا ساتھی ضرور تھا مگر اب عیدو کو احساس ہونے لگا تھا کہ نور خان غلط منزل کی جانب بڑھنے لگا ہے۔ شراب‘ جوا اور بازاری عورتوں کا چسکا نصیر خان اسے لگا ہی رہا تھا جس کے سبب نور خان ہمیشہ کے لئے چھن جانے والا تھا۔ عیدو یہی سب کچھ سوچتا ہوا گھوڑا سرپٹ دوڑائے جا رہا تھا۔ اس کے پاس فقط ایک تلوار تھی جو اس کے باپ کی یادگار تھی۔ نور خان کی دو نالی بندوق وہ لوٹا ہی چکا تھا۔ بندوق لوٹانے کے بعد اسے یوں لگا جیسے اس کا ہاتھ کٹ گیا ہو۔ اس حقیقت کو بھی عیدو جانتا تھا کہ اونچے پہاڑوں کے دیس میں بغیر ہتھیار کے آدمی ادھورا ہی ہوتا ہے۔

اُرک زئی قبیلے سے تھوڑی ہی دور شہباز خان کا خاص مخبر پرچم خان‘ عیدو کو راستے میں ملا۔ اس کا حافظہ غضب کا تھا اور کسی راز کو چھپانے کا حوصلہ بھی اس میں بہت تھا۔ آس پاس کے قبیلوں کی حرکات و سکنات‘ ان کے سرداروں اور حامیوں کے نام تو گویا اسے رٹے ہوئے تھے۔ عیدو کو دیکھ کر پرچم خان نے اندازہ لگا لیا‘ ہو نہ ہو عیدو‘ شہباز خان سے مل جانے کا ارادہ لے کر جا رہا ہے۔ اس نے گھوڑا موڑ کر دوسرے راستے پر ڈال دیا۔

جس وقت پرچم خان وہاں پہنچا تو شہباز خان برگد کے نیچے اپنے ساتھیوں سے کچھ صلاح مشورہ کر رہا تھا۔ پرچم خان نے گھوڑے سے اتر کر شہباز کو مخاطب کیا۔ ”سردار! نور خان کا خاص دوست عیدو خان اسی طرف آ رہا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ نور خان آج کل پشاور میں جوڑ توڑ کر رہا ہے۔“

شہباز نے اثبات میں سر ہلایا۔ انور نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ”مجھے تو اس میں کوئی چال نظر آتی ہے۔“

"دیکھیں گے، پہلے عیدو کو آنے تو دو۔" شہباز بولا۔

پرچم خان اطلاع دے کر چلا گیا تو تھوڑی ہی دیر بعد گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دینے لگیں اور سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔

آنے والا عیدو ہی تھا جو قریب آ کر گھوڑے سے اترا۔ اس نے شہباز کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام عیدو خان!" شہباز نے مسکرا کر جواب دیا۔

عیدو اپنا نام شہباز کے منہ سے سن کر چونکا مگر اپنی حیرت کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ اس نے کہا۔ "سردار! میں نور خان کے بچپن کا ساتھی ہوں۔ پہلے میں نور خان کا خاص دوست اور ساتھی تھا۔ افسوس کہ اس کے پاؤں ڈگمگا گئے۔ مجھے احساس ہوا کہ ایسی صورت میں اس سے الگ ہو جانا چاہئے۔ اس کی دی ہوئی بندوق بھی میں نے لوٹا دی ہے۔ میں نے یہ بھی فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ پشاور میں جو کام شروع کرنے والا ہے اس میں شرکت نہیں کروں گا۔"

انور بول اٹھا۔ "پشاور میں تمہارا دوست کون سا نیا کام شروع کر رہا ہے؟"

عیدو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتا ہوا بولا۔ "خان! میں نے برسوں نور خان کا نمک کھایا ہے۔ ایک دوست کا فرض ہے کہ دوسرے دوست کے عیب کو چھپائے۔ میں نے اسے سمجھایا تو اس نے میرے منہ پر زور دار تھپڑ مارا۔ میں اس تھپڑ کو برداشت کر گیا۔"

"مگر وہ کون سا کام ہے جو وہ پشاور میں کرنے گیا ہے؟"

اس نے دوبارہ عیدو کو کریدنا چاہا۔

عیدو مسکرایا۔ "میں نے ابھی کہا نا کہ دوست کا عیب چھپانا فرض ہے۔ وہ غلط راستے پر گامزن ہے لیکن کبھی نہ کبھی اسے عقل آ جائے گی۔"

"میرے پاس تم کس ارادے سے آئے ہو؟" شہباز نے سوال کیا۔

"میں بہادروں کا قدرداں ہوں سردار!" عیدو نے جواب دیا۔ "میں نے آپ کی بہادری کو پرکھا ہے اور جانتا ہوں کہ دنیا بلاسبب ہی آپ کو سرباز نہیں کہتی۔ اس کے علاوہ آپ اتنے بلند کردار بھی ہیں کہ دشمن تک آفرین کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کیا آپ مجھے اپنے گروہ میں شامل ہونے کا اعزاز بخشیں گے؟"

کچھ دیر کو سناٹا سا چھا گیا۔ سب کو نور خان اور شہباز کی رنجش کا علم تھا اور عیدو، نور خان کے بچپن کا دوست تھا۔ سب کی نظریں شہباز پر لگی ہوئی تھیں۔

"عیدو خان! مجھے خوشی ہے کہ تم صاف گو آدمی ہو۔" آخر شہباز کی آواز سنائی دی۔ "میں صاف گو آدمی کی عزت کرتا ہوں۔ تمہیں اپنے گروہ میں شامل کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر ایک درخواست میں تم سے ضرور کروں گا کہ تم ایک مخلص دوست کا فرض ادا کرو تو یہ زیادہ بہتر ہو گا۔ نور خان کے قدم اگر بھٹک گئے ہیں تو اسے اس وقت تمہاری مدد کی سخت ضرورت ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ ہزار باتیں سن کر بھی اسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرو۔" عیدو خاموشی سے یہ سب کچھ سنتا رہا۔ شہباز نے قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "تم یہ نہ سمجھنا کہ میں بہلا کر تمہیں ٹال رہا ہوں۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے اور تمہیں میرے گروہ ہی میں شامل ہو کر سکون مل سکتا ہے تو آج ہی شامل ہو جاؤ مگر حق بات کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تمہیں پہچان لینے کے بعد ہی میں نے یہ بات کہی ہے دوست!"

عیدو جواب میں بولا۔ "شکریہ سردار! آپ کی صلاح نیک ہے۔ میں نور خان کو سمجھانے ایک بار پھر جاؤں گا اور جو خبر آپ کے فائدے کی ہو گی، وہ بھی آپ تک ضرور پہنچاؤں گا۔" پھر اس نے سلام کیا اور واپس چلنے لگا۔

"ٹھہرو عیدو خان!" شہباز نے اسے آواز دی۔ "تم نے دوستی کا ہاتھ ہماری طرف بڑھایا تو ہمیں بھی کچھ دوستی کا حق ادا کرنے دو۔ نور خان کو بھی یہ سمجھانا کہ ہم دونوں کے والد آپس میں دوست ہیں۔ مہمند اور اورکزئی دونوں قبیلے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ نور خان کی حرکتوں کو میں پسند نہیں کرتا۔ اس سے میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے۔" پھر شہباز نے ایک رائفل نور خان کی طرف بڑھائی۔ حال ہی میں ایک انگریز چوکی سے اس نے یہ رائفل چھینی تھی۔ "شہباز کی طرف سے یہ خلوص کا ایک نذرانہ ہے دوست، اسے قبول کرو۔"

عیدو حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کا گلا بھر آیا۔ "سردار! ایک پٹھان کی اس سے زیادہ عزت افزائی اور کچھ نہیں ہوتی۔ میں آپ کی عطا کردہ رائفل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ رائفل آپ کی ہی طرف سے اٹھے گی۔ میں آپ کا نمک حلال دوست ثابت ہوں گا۔"

شہباز سے ہاتھ ملا کر عیدو گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ اس کے کندھے پر شہباز کی دی ہوئی رائفل لٹک رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا' بہت بھاری بوجھ تم نے میرے کندھوں پر رکھ دیا ہے شہباز! خدا کرے میں اس بوجھ کو اتارنے کے قابل ہو سکوں۔

☆=====☆======☆

جب سے عیدو الگ ہوا تھا' تبھی سے نور خان کے باقی ماندہ ساتھی بھی اِدھر اُدھر ہو گئے تھے۔ کچھ کابل چلے گئے تھے اور کچھ نے بنوں کے علاوہ کوہاٹ وغیرہ میں نوکری کر لی تھی۔ نور خان اب اکیلا رہ گیا تھا۔

نور خان کو بس ایک ہی دھن سوار تھی کسی نہ کسی طرح شہباز سرباز کو پکڑوا دے۔ گھوڑے پر بیٹھا وہ اِدھر اُدھر خاک اڑاتا پھرا۔ اس نے شہباز کے ساتھیوں کو توڑنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ شہباز کے ساتھی اس کے وفادار تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ شہباز سرباز کے ساتھی ہیں۔ وہ اپنے سردار کی عزت کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے محبت بھی کرتے تھے اور یہ سب یک طرفہ نہیں تھا۔ شہباز بھی اپنے جیالے ساتھیوں پر جان چھڑکتا تھا اور ان کے ہر دکھ سکھ میں شریک رہتا تھا۔ نور خان نے بہت کوشش کی لیکن شہباز کے کسی وفادار کو نہ توڑ سکا۔ اسی عرصے میں نور خان کو مہ جبیں کا خیال آیا۔ اسے شہباز اور مہ جبیں کی ملاقات کا علم ہو چکا تھا۔ سوچتے سوچتے اس کے شیطانی ذہن میں ایک سازشی منصوبہ کلبلانے لگا۔

"یہ تو تو نے پہلے سوچا ہی نہیں تھا نورے!" وہ بڑبڑانے لگا۔ "مہ جبیں کا نام لینے پر تو یہ خنزیر شہباز جہنم تک آ جائے گا۔"

اسی دن سے وہ جوڑ توڑ کرنے لگا مگر کامیابی کے آثار اسے نظر نہیں آ رہے تھے۔ نور خان اس وقت اکیلا ایک درخت کے سائے میں پڑا سوچ رہا تھا۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ سو گز دور شہباز کی دی ہوئی رائفل لٹکائے عیدو چھپ کر اس پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔ عیدو' شہباز سے ملنے کے بعد کسی سائے کی طرح نور خان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ نور خان کی ساری نقل و حرکت عیدو کی نظر میں تھی۔

تھوڑی دیر بعد نور خان اٹھ کھڑا ہوا اور چل دیا۔ اس کے پیچھے پیچھے عیدو بھی تھا۔

دس دن گزر گئے مگر شہباز کی کوئی خبر اس کے ہاتھ نہ آئی۔ نور خان کو پشاور کا وہ جوئے خانہ یاد آنے لگا جہاں رخسانہ سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ شراب کے جام' جوا اور مرمریں بانہیں اس کی چشم تصور میں گھومنے لگیں۔ پچھلی بار وہ اپنے باپ ہلال خان سے دو سو روپے لے چکا تھا جو وہ پشاور میں اڑا چکا تھا۔ نور خان کو روپے چاہئے تھے۔ کہاں سے لائے وہ روپے؟ وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا۔ پھر اسے شہباز کے دیئے ہوئے دو ہزار روپے یاد آ گئے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ دو ہزار روپوں سے تو میں پورے ایک ماہ تک عیش کر سکتا ہوں' اس نے سوچا۔ اب اس کے چہرے سے اطمینان جھلک رہا تھا۔ مسئلے کا حل اس نے ڈھونڈھ لیا تھا۔

رات کو ایک بجے اس کی حویلی کا بھاری دروازہ چرمرایا۔ گل سمن کو اس کے آنے کا پتا چل گیا تھا۔ وہ بستر پر کروٹیں بدل رہی تھیں۔ نہ جانے اس کی نیند اس سے کیوں روٹھ گئی تھی! جب اس نے حویلی کے دروازے کی چرمراہٹ سنی تو چونک اٹھی۔ اس نے جلدی سے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا۔ ہلکی چاندنی میں اس نے اندازہ کر لیا کہ نور خان باہر نکل رہا ہے۔ گل سمن کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے سوچا ہو نہ ہو نور خان وہ پوٹلی کھود کر نکالنے جا رہا ہے جو اس نے دبائی تھی اور جسے وہاں سے نکال کر گل سمن نے دوسری جگہ سردار ہلال خان کے تخت کے نیچے دبا دیا تھا۔ کانپتی ہوئی گل سمن' نور خان کے پیچھے پیچھے چل دی۔ اس کا خیال درست ثابت ہوا۔ نور خان نے پوٹلی والی جگہ کو کھودا اور پھر بھونچکا سا رہ گیا۔ بوکھلاہٹ میں اس نے آس پاس کی زمین بھی کھود ڈالی۔ جب اس کے ہاتھ کچھ نہ لگا تو بیٹھ کر سوچنے لگا۔ وہ اپنے ذہن میں پشاور کے سپنے سجائے ہوئے تھا مگر روپوں کی پوٹلی خلاف توقع غائب ہو گئی تھی۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ مدھم چاندنی میں اس کا چہرہ مہیب نظر آ رہا تھا۔

نور خان نے ادھر ادھر دیکھا اور بستی کے بازار کی طرف چل دیا۔ بازار میں پہنچ کر وہ شیخ رمضان کی دکان پر رکا پھر دکان کے پیچھے سے جا کر اس نے نقب لگانا شروع کر دی۔ کوئی آدھے گھنٹے کے اندر اس نے کافی بڑا شگاف کر لیا اور پھر اندر گھس گیا۔

گل سمن یہ دیکھ کر کانپ اٹھی کہ نور خان چوری کر رہا ہے۔ قبیلے کے سردار کا بیٹا اور ایک ذلیل چور! اس نے دکھ سے سوچا۔

کچھ ہی دیر میں نور خان باہر نکل آیا۔ اس کے بدن کا اوپری حصہ برہنہ تھا۔ اپنے کرتے میں اس نے پیسے بھر رکھے تھے۔ دکان سے چوری کر کے وہ چلا گیا۔

گل سمن اپنے گھر واپس آ کر گھنٹوں بستر پر پڑی روتی رہی۔

گل سمن شام کو عیدو کے گھر پہنچی اور اس نے سارا چشم دید واقعہ اسے سنا دیا۔ عیدو یہ سن کر اداس ہو گیا۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ "نور خان کو یہ کیا ہوتا جا رہا ہے گل سمن! جب سے وہ پشاور کی ہوا کھا کر آیا ہے' بدلتا جا رہا ہے۔"

ایک دو دن بعد نور خان پشاور روانہ ہو گیا۔ شیخ رمضان کی دکان سے ایک سو روپے نقد اور کچھ چاندی کے زیورات ملے تھے۔ نور خان اسی لیے بہت خوش تھا۔ اس نے خلاف توقع حالات پیش آنے کے باوجود اپنا مسئلہ حل کر لیا تھا۔ عیدو سائے کی طرح اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔

پشاور پہنچ کر نور خان نے سب سے پہلے بازار جا کر چاندی کے زیورات بیچ دیئے جن کے اسے چالیس روپے ملے۔ اس کے بعد وہ گنگناتا ہوا نصیر خان کے گھر پہنچا۔ نصیر خان نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ "آؤ نور خان! کیا خبر لائے ہو؟"

"خان! ابھی شہباز کا پتہ نہیں چل رہا۔" نور خان نے کہا۔ "مگر مجھے ایک ترکیب سوجھی ہے۔ اسی سلسلے میں مجھے تم سے صلاح مشورہ کرنا ہے لیکن بہتر ہے کہ ہم کچھ جام چڑھانے کے بعد گفتگو کریں۔"

نصیر خان یہ سمجھا کہ نور خان پھر سے اس کے پیسے خرچ کرانے آیا ہے۔ پھر وہ یہ سوچ کر نیم راضی سا ہو گیا کہ وہ یہ پیسے حکومت سے وصول کر لے گا۔

"پیسوں کی تم فکر نہ کرنا خان!" نور خان بول اٹھا۔ "آج تم میرے مہمان ہو۔"

نصیر خان ساتھ ہو لیا اور بولا۔ "چلو آج تمہیں ایک اور بڑھیا جگہ لے کر چلتا ہوں۔"

نور خان کا چہرہ کھل اٹھا۔ نصیر خان اسے واقعی ایک نئی جگہ لے گیا۔ اسٹیج پر ایک نیم برہنہ حسین لڑکی رقص کر رہی تھی۔ نور خان نے شراب کی پوری بوتل اور تندوری مرغا منگوا لیا۔ ایک میز چھوڑ کر عیدو اس کی طرف پشت کیے شربت کے گھونٹ لے رہا تھا۔

"تم کچھ تدبیر بتا رہے تھے نور خان!" نصیر خان نے مطلب کی بات چھیڑ دی۔

"ہاں، مگر میں وہ ترکیب بعد میں بتاؤں گا۔" نور خان بولا۔ "دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں دوست!"

گھنٹے بھر بعد ہی ان دونوں کو نشہ ہو گیا۔ نصیر خان سے نور خان نے رخسانہ کے پاس چلنے کو کہا۔ نصیر خان اسے اٹھا کر اس جوئے خانے میں لے گیا جہاں رخسانہ رقص کرتی تھی۔ اس کا پروگرام ختم ہونے میں ابھی دیر تھی اس لیے وہ دونوں ایک میز پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ نصیر خان کو بس ایک ہی رٹ لگی تھی کہ نور خان نے شہباز کو زیرِ دام لانے کی کیا تدبیر سوچی ہے!

نور خان بالآخر ہنس کر بولا۔ "شہباز کا عشق دراصل مہ جبیں سے چل رہا ہے خان! اگر اسے مہ جبیں کے نام سے بلوایا جائے تو ضرور آ جائے گا۔ باقی جال تم بُن ڈالو۔"

نصیر خان نے ہنکارا بھر کے پوچھا۔ "یہ مہ جبیں ہے کون نور بھائی؟"

نشے کی ترنگ میں نور خان نے سارا قصہ بیان کر دیا پھر دانت پیس کر بولا۔ "اس پھلجڑی سے مجھے بدلہ لینا ہے۔ کبھی تو وہ میرے پہلو میں آئے گی ہی!"

نصیر خان پرانا گھاگ تھا۔ وہ قلابے ملانے لگا، پھر تھوڑی ہی دیر بعد نور خان کو رخسانہ کے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

دوسرے دن صبح نصیر خان تھانے گیا اور داروغہ سے مشورہ کرنے لگا۔ داروغہ بھی پرانا پاپی تھا، ساری داستان سن کر بولا۔ "اگر یہ بات سچ ہے تو کام بن سکتا ہے مگر ساری اونچ نیچ پر غور کرنا پڑے گا۔ ذرا سی چوک سے سارا کام بگڑ سکتا ہے۔"

داروغہ نے اپنے دو منتخب مخبر بھیجے۔ ان مخبروں نے مہ جبیں کا پتا لگایا اور اس کے بھائی گلفام کی عادتوں کا جائزہ لیا۔ انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ پچھلی مرتبہ شہباز اور مہ جبیں میلے میں ملے تھے اور انہیں ملوانے میں گلفام کا ہاتھ تھا۔ سازش کا پورا منصوبہ داروغہ نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ مہ جبیں کی چال ڈھال، کپڑوں کی پسند، زیورات کی پسند سب کچھ اس نے پیسا خرچ کر کے معلوم کر لیا۔ اسے پتا چلا کہ مہ جبیں سرخ مخمل کا لباس بہت پسند کرتی ہے۔ جلد ہی شاہ نظیر کے مزار پر میلہ لگنے والا تھا۔ داروغہ چوکنا ہو گیا۔ اس نے مہ جبیں کے کپڑے سینے والے درزی تک کا سراغ لگا لیا۔ نصیر خان کو بھیج کر اس نے ہو بہو ویسے ہی کپڑے سلوا لئے۔ پھر وہ میلے کا انتظار کرنے لگا۔ نصیر اور نور خان بھی اس

سازش میں شریک تھے۔ ان کے علاوہ چار پانچ سپاہی بھی مستعد تھے۔

آخر میلے کا دن آ ہی گیا۔ شہباز کو گلفام ہی نے خبر کرائی کہ وہ شاہ نظیر کے میلے میں اس کے ساتھ کھانا کھائے۔ شہباز خود بھی مہ جبیں سے ملنے کو بے قرار تھا۔ وہ اپنے چار پانچ ساتھیوں کے ہمراہ چل دیا۔ گلفام کے ساتھ اس نے مہ جبیں کو دور سے دیکھا اور مسکرا دیا۔ وہ پہلے مہ جبیں کو کچھ تنگ کر کے اس سے ملنا چاہتا تھا۔ آخر انتظار کا مزہ بھی تو کچھ معنی رکھتا ہے! ادھر داروغہ اور اس کے ساتھی حالات پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

پہلی چال داروغہ نے یہ چلی کہ چار مردوں اور عورتوں کو گلفام اور مہ جبیں کے پاس بھیجا جنھوں نے جا کر کہا کہ شہباز رہٹ کے پیچھے ان کا انتظار کر رہا ہے۔ مہ جبیں کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ گلفام اور مہ جبیں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رہٹ کی طرف چل دیے۔ رہٹ مغرب کی سمت واقع تھی۔

شہباز اس وقت چاندی کی پازیب خرید رہا تھا کہ داروغہ کی ایک مخبر عورت نے اس کے پاس آ کر کہا۔ "سردار شہباز خان! مہ جبیں بانو آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" تبھی اس عورت نے ایک طرف اشارہ کیا۔ میلے کے ایک سرے پر چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ اس پہاڑی پر شہباز نے مہ جبیں کو مخملی لباس میں دیکھا۔

شہباز کی نظریں اُدھر اٹھیں تو مہ جبیں نے ہاتھ اٹھا کر اسے سلام کیا۔ وہ تنہا تھی۔

شہباز سمجھا کہ شاید تنہائی میں مہ جبیں اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا پہاڑی کی سمت بڑھنے لگا۔ پہاڑی پر پہنچتے ہی اس نے مہ جبیں کو اپنی طرف پشت کیے دیکھا۔ وہ سمجھا، مہ جبیں غالباً اس سے خفا ہے۔ پہاڑی سنسان تھی۔

شہباز نے قریب پہنچ کر مہ جبیں کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور بولا۔ "ناراض ہو مجھ سے مہ جبیں؟ میں نے تو بہت پہلے تمہیں دیکھ لیا تھا۔ سرخ مخمل میں تو تم قیامت ڈھا رہی ہو۔" پھر شہباز نے مہ جبیں کو کندھے سے پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کر لیا۔

چہرہ دیکھتے ہی شہباز کو بجلی کا جھٹکا سا لگا۔ وہ عورت مہ جبیں نہیں تھی۔

شہباز صرف اتنا کہہ پایا۔ "کون ہو تم؟"

اسی وقت پیچھے سے دس آدمیوں نے جھپٹ کر شہباز کو دبوچ لیا۔ لال مخمل کی پوشاک میں رخسانہ ان کے ساتھ آئی تھی۔ آناً فاناً میں انہوں نے شہباز کا منہ باندھ دیا

اور پہاڑی کی دوسری جانب کھڑی گاڑی میں ہاتھ باندھ کر ڈال دیا۔

شہباز خان سرباز زیر دام آ چکا تھا۔

اسی پہاڑی کی دوسری جانب گاڑی کھڑی تھی۔ شہباز خان سرباز کو اس میں ڈال دیا گیا۔ غیر متوقع اور اچانک حملے نے شہباز خان کو بے بس کر دیا تھا۔ اسے لے جاتے ہوئے نور خان ہنس کر کہنے لگا۔ ”آخر شہباز زیر دام آ ہی گیا!“ پھر وہ داروغہ سے مخاطب ہوا۔ ”مہ جبیں کہاں گئی حضور؟ اسے بھی ساتھ لے چلنا ہے۔“

”بکومت!“ داروغہ نے اسے ڈانٹ دیا۔ ”تم بعد میں اس سے جس طرح چاہو نمٹتے رہنا! مجھے تو شہباز چاہئے تھا‘ سو مل گیا۔ دیر بالکل نہیں ہونا چاہئے نصیر خان! یہاں سے بھاگ چلو!“

نور خان ”مہ جبیں‘ مہ جبیں“ کی رٹ لگائے بڑبڑاتا رہا۔ سب گاڑی میں بیٹھ کر چل دیئے۔ صرف عیدو خان چھپ کر یہ سارا تماشا دیکھتا رہا۔

عیدو اکیلا تھا۔ جو کچھ اس نے دیکھا اسے دیکھ کر اس کے دماغ میں طوفان بپا ہو گیا۔ پھر وہ پلٹ کر مڑا۔ اس بھیڑ میں مہ جبیں اور گلفام کو تلاش کرنا‘ ساحل کی ریت میں سوئی تلاش کرنے کے مترادف تھا۔ عیدو نے وقت برباد کرنا ٹھیک نہیں سمجھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ لوگ شہباز کو لے کر پشاور ہی گئے ہوں گے۔ وہ سیدھا پشاور کی طرف چل دیا۔ سفر لمبا اور کام جوکھوں کا تھا۔

دوسرے دن عیدو خان‘ نصیر خان کے گھر کے پاس منڈلا رہا تھا۔ گھر کے سامنے درزی کی ایک دکان تھی۔ وہ اسی دکان پر بیٹھا رہا۔ رات کو گیارہ بجے کے قریب نصیر خان اور نور خان آتے دکھائی دیئے۔ وہ دونوں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔

”تمہیں اپنا شکار تو مل گیا۔“ نور خان بھاری آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”میرے شکار کا بھی خیال کرو نا!“

”گھبراؤ مت‘ سب کے کام بنیں گے۔“ نصیر خان نے جواب دیا۔

عیدو تھانے ہو آیا تھا۔ وہاں حوالات میں شہباز خان کو بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ پلٹن کورٹ کے کورٹ گارد کے پاس منڈلاتا رہا‘ مگر وہاں گھومنا ممکن نہیں تھا۔ وہ ہر قیمت پر شہباز خان کا پتا لگانا چاہتا تھا۔ وہ اب ٹھیک جگہ پر پہنچ گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ نصیر

خان اور نور خان ہی سے کوئی سراغ مل سکتا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد نصیر خان اور نور خان کپڑے تبدیل کر کے نکلے۔ عیدو نے انہیں دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا اور ان کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ وہ دونوں تھانے کی طرف جا رہے تھے۔ تھانے کے پچھواڑے داروغہ کا کوارٹر تھا۔ دونوں وہاں جا کر رک گئے اور پھر نور خان پیچھے کھڑا رہا۔ نصیر خان نے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ داروغہ گھیردار شلوار پہنے ہوئے باہر آیا اور نصیر خان کو دیکھ کر بولا۔ ”نصیر خان! اب ہم قبرستان کے پیچھے ملیں گے۔ وہیں پر باتیں ہوں گی۔ ہاں یہ بتاؤ‘ شہباز کا کیا حال چال ہے؟“

”ٹھیک ہے حضور!“ نصیر خان نے جواب دیا۔ ”چار پانچ آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔“

نصیر خان‘ نور خان کے پاس واپس آ گیا اور اس سے چلنے کو کہا۔ کچھ ہی دیر کے بعد داروغہ انگریزوں کے قبرستان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دونوں پہلے ہی ایک سایہ دار پیڑ کے نیچے بیٹھے تھے۔ داروغہ بھی وہیں آ بیٹھا۔ عیدو سمٹ کر قریب ہی موجود ایک قبر کی آڑ میں ہو گیا۔

”اب حضور ہی آگے کا منصوبہ بتائیں۔“ نصیر خان نے داروغہ کو مخاطب کیا۔ وہ کچھ سہما ہوا لگتا تھا۔ اس کی آواز سے یہی احساس ہو رہا تھا۔

داروغہ نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ ”یہ جو تمہارا جمورا ہے نا‘ ایک نمبر کا الّو کا پٹھا ہے۔ چلتے وقت سالا اپنی لیلیٰ کا رونا لے کر بیٹھ گیا۔ ابے‘ پہلے ہمیں اصل شکار پر ہاتھ ڈالنا تھا یا اس سور کی ونڈیا کو.........“ داروغہ فحش کلامی کرنے لگا۔

نصیر خان نے داروغہ کو غصے میں دیکھا تو بولا۔ وہ نور خان سے مخاطب تھا۔ ”معافی مانگ داروغہ جی سے!“

نور خان نے فوراً ہی معافی مانگ لی۔

داروغہ نرم پڑتے ہوئے کہنے لگا۔ ”سنو! اب کام کس طرح کرنا ہے! شہباز خان کے گم ہو جانے کی خبر ملتے ہی اس کے قبیلے اور قریبی دوستوں میں کھلبلی مچ جائے گی۔ ممکن ہے‘ اس کے کچھ ساتھی بھیس بدل کر اسے تلاش کرنے نکلیں۔ ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا

ہو گا۔ سب سے پہلے تو شہباز خان کے قبیلے میں یہ خبر بھجواؤ کہ شہباز کو ذکاخیل کے کچھ بدمعاش اٹھا لے گئے ہیں اور وہ دو ہزار روپے بطور تاوان مانگتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ شہباز کا باپ فوری طور پر تاوان کی رقم کا انتظام کر دے گا۔ دوسرے یہی خبر مہ جبیں کے قبیلے میں بھی بھجواؤ کہ وہ خود اپنے بھائی کے ہمراہ پوشیدہ طور پر ایک ہزار روپے لے کر یہاں لے آئے۔ ایک ہزار روپے ہم رکھیں گے اور لڑکی یہ لے لے' ہماری بلا سے! اس کے بعد ہی شہباز سرباز کی گرفتاری کا راز انگریزوں کو بتایا جائے گا۔ شہباز کی گرفتاری پر انعام اور تمغا ہمیں ملے گا اور تمہارا محنتانہ ہم دیں گے۔"

نصیر خان سرہلا کر بولا۔ "واہ حضور' مان گئے آپ کے دماغ کو!"

نور خان بھی داروغہ کی بات سے بڑا متاثر ہوا اور سرہلا ہلا کر بات کی گہرائی کو سوچتا رہا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا حضور کہ شہباز خان کو ابھی مزید کچھ دن اسی جگہ رکھا جائے گا۔" نصیر خان نے کہا۔

"بالکل!" داروغہ بولا۔ "اور اس کی پوری ذمے داری تم پر ہے۔"

"جی حضور! آپ قطعی فکر نہ کریں۔" نصیر خان نے داروغہ کو یقین دلایا۔ "میری مرضی کے بغیر کوئی بھی شہباز خان تک نہیں پہنچ سکتا!"

اس کے بعد گویا یہ سہ رکنی خفیہ اجلاس ختم ہو گیا۔ عیدو سمجھ گیا کہ اسے شہباز خان تک پہنچنے کے لئے نصیر خان کا پیچھا کرنا پڑے گا۔

نصیر خان اور نور خان چھاؤنی کے بازار کی طرف ہو لیے۔ وہ کچھ دور چلے ہوں گے کہ کیپٹن جیمس سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسے دیکھتے ہی نور خان کو سانپ سونگھ گیا۔ اسے اور کچھ نہ سوجھا تو وہ بھاگ کر پاس کی دکان کی بغل میں رکھے ہوئے سامان کے ڈھیر میں چھپ گیا۔ نصیر خان اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ اُدھر عیدو کو کیپٹن جیمس نے پہچان لیا۔ یہی وہ انگریز فوجی افسر تھا جس کی بیٹی کو نور خان نے اٹھوایا تھا اور شہباز خان نے آ کر زر تاوان بھی لوٹا دیا تھا۔ عیدو کو آس بندھی کہ اگر کیپٹن جیمس کو کسی طرح حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے تو شہباز خان کم از کم سرکاری قید خانے میں آ جائے گا اور پھر نور خان کو یہاں قدم جمانا مشکل ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر عیدو' کیپٹن جیمس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

کیپٹن جیمس اس وقت آفیسرز میس میں جا رہا تھا۔ وہ میس کا سیکرٹری تھا اور اکثر سامان چیک کرنے پہنچ جاتا تھا۔ عیدو میس کے پچھواڑے سے داخل ہوا اور باورچی خانے کے پاس ہی ایک جھاڑی کے پیچھے بیٹھ گیا۔ آبدار جبر خان پیچھے سے ایک دیگچی صاف کرتے ہوئے آ رہا تھا۔ جھاڑی کے پیچھے سے کھڑکھڑ سن کر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے کسی سارس کی طرح گردن لمبی کر کے دیکھا تو عیدو نظر آ گیا۔ عیدو اس وقت میس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حال ہی میں میس سے ایک پتیلا غائب ہو چکا تھا۔ پتیلے کی چوری کا معاملہ باورچی اور آبدار چھپا گئے تھے ورنہ انہیں ذلیل ہونا پڑتا۔ انہوں نے یہی سوچا کہ اپنی جیب سے خرچ کر کے معاملہ دبا دیا جائے تو اچھا ہے۔

پھر جبر خان اس طرح عیدو پر جھپٹا جیسے بلی' کبوتر پر جھپٹتی ہے۔

"آج پکڑ میں آیا خوچے!" جبر خان دانت پیس کر بولا۔ "سچ بتا' پتیلا بھی تو ہی چرا کر لے گیا تھا نا؟"

عیدو نے گھبرا کر کہا۔ "میری بات تو سنو خان! میں آپ سے مدد حاصل کرنے آیا ہوں۔"

"ہونہہ.........! مدد حاصل کرنے آیا ہے اور باورچی خانے کے پاس برتن تاک رہا ہے!" جبر خان اپنی ہی دھن میں تھا۔ "بتا تو کس قبیلے سے ہے؟"

"خان! قرآن شریف کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں مدد حاصل کرنے آیا ہوں۔ شہباز خان کی جان خطرے میں ہے اور مجھے اس کا احسان اتارنا ہے۔ یقین کرو میں جھوٹ نہیں بول رہا۔" عیدو گڑگڑانے لگا۔

شہباز خان کا نام سنتے ہی جبر خان کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ بولا۔ "تم شہباز خان سرباز کو کیسے جانتے ہو؟ اس کی جان کیسے خطرے میں ہے؟ تمام باتیں تفصیل کے ساتھ سچ سچ بتاؤ!"

"تو کیا تم شہباز خان سے واقف ہو؟" عیدو نے حیرت سے پوچھا۔

"واقف ہوں.........! ارے ہم خود اُرکٹ زئی قبیلے کا ہے۔" جبر خان نے بتایا۔

"شہباز خان ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔"

عیدو کی جان میں جان آئی اور اس نے ساری کہانی بیان کر دی۔

یہ سن کر جبر خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"عیدو۔" اس نے جواب دیا۔ "میں مہمند ہوں۔"

"تم ہمارا دوست ہے' عزیز ہے۔" جبر خان بولا۔ "اس سالے مخبر نصیر خان کو ایک بار مجھے دکھلا دو۔"

"خان! میری رائے تو یہ ہے کہ تم کسی طرح شہباز خان کے گھر میں جا کر یہ خبر پہنچا دو۔" عیدو نے مشورہ دیا۔ "شہباز خان کے لئے زر فدیہ مانگا جائے گا۔ فدیہ ادا کرتے وقت ہی نصیر خان یا نور خان کو قابو میں کیا جائے گا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یوسف زئی قبیلے میں جا کر سردار گلاب خان کے بیٹے گلفام کو آگاہ کر دیا جائے کہ وہ اپنی بہن کو لے کر یہاں ہرگز نہ آئے۔"

جبر خان یہ سب کچھ سنتا رہا۔ پھر بولا۔ "میں پہلے شہباز خان کے گھر جاؤں گا' اس کے بعد یوسف زئی قبیلے کا رخ کروں گا۔ تم چاہو خان تو میں اپنے کوارٹر میں تمہارے رہنے کا انتظام کر دوں۔ شہباز خان کا ذکر تم یہاں کسی سے نہ کرنا ورنہ بات کھل گئی اور انگریز افسروں تک پہنچ گئی تو تم بھی دھر لیے جاؤ گے۔"

"جبر خان' یہ جو کیپٹن ابھی ابھی اندر گھسا ہے' یہ وہی ہے جس کی بیٹی کو نور خان نے اٹھوایا تھا۔" عیدو نے بتایا۔

جبر خان سوچ میں پڑ گیا' پھر کہنے لگا۔ "ہاں یہ کام ہو سکتا ہے۔ نور خان کو پکڑوایا جا سکتا ہے۔ میں کیپٹن جیمس کو خبر کر دوں گا مگر یہ کام بعد کا ہے۔ پہلے تو مجھے شہباز خان کے یہاں جانا ہو گا اور پھر یوسف زئی قبیلے میں۔"

عیدو نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسے ایک مددگار مل گیا تھا۔ اس نے سوچا' اب میں شہباز خان کو تلاش کرنے کے لئے نصیر خان اور نور خان کے پیچھے لگ جاؤں گا۔ تب تک یہ خبر شہباز خان کے قبیلے تک بھی پہنچ جائے گی۔ عیدو نے جبر خان کی تجویز قبول کر لی۔ وہ جبر خان کے کوارٹر میں ٹھہر گیا اور وہیں رہ کر نور خان اور نصیر خان کے تعاقب کا فیصلہ کیا۔

دوسری طرف نور خان کو مہ جبیں کی بڑی فکر تھی۔ مہ جبیں کے حصول کی خاطر وہ بے چین ہوا جا رہا تھا۔ نصیر خان سے کہہ کر اس نے ذکا خیل کے ایک مخبر کو مہ جبیں کے

بھائی کے پاس بھیجنا چاہا۔

نصیر خان بولا۔ "میرا خیال ہے ہمیں شہباز خان سے اس کے باپ کو زر فدیہ کے لئے خط لکھوانا چاہئے۔ پھر اسی خط میں تبدیلی کر کے اسے مہ جبیں کے نام کر دینا چاہئے۔ خط کو دیکھ کر وہ چھوکری ضرور جال میں آ پھنسے گی' اگر اسے شہباز خان سے سچی محبت ہوئی!"

یہ سن کر نور خان کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ نصیر خان کے دونوں ہاتھ اپنی پیشانی سے لگا کر کہنے لگا۔ "مان گئے تمہیں نصیر خان! تمہاری کھوپڑی میں واقعی بڑی عقل بھری ہوئی ہے۔ تم تو کمال کے آدمی نکلے!"

اس وقت کاغذ اور قلم کا انتظام کر کے وہ دونوں چل پڑے۔ عیدو ان کے پیچھے دبے قدموں چل رہا تھا۔ کافی دور چلنے کے بعد ایک سنسان پگڈنڈی پکڑے وہ شمال کی طرف چل دیئے۔ تھوڑی دیر میں ایک نیم شکستہ مسجد نظر آئی۔ مسجد کے سامنے والا حصہ گر چکا تھا اور پیچھے کا حصہ اب بھی نماز کے لئے وقف تھا۔ مسجد کے عقب میں ایسا ہی ایک بوسیدہ مکان تھا جس کے دروازے پر بوریے کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ مسجد ہی کے عقب میں جھونپڑیاں بھی تھیں۔ ان میں سے ایک جھونپڑی میں چائے خانہ تھا۔ بغل والی جھونپڑی میں ایک اور چھوٹی سی دکان تھی۔ دکان سے تقریباً سو گز کی دوری پر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں زیادہ جھونپڑیاں نہیں تھیں۔

یہاں چائے کی دکان کا ہونا یہ ثابت کرتا تھا کہ اس راستے سے کچھ خاص لوگ ضرور گزرتے تھے ورنہ گاؤں کے باشندے چائے پینے کا شوق کس طرح پورا کر سکتے تھے! بات ٹھیک ہی تھی۔ مالاکنڈ کی طرف سے کچھ لوگ چوری کا مال چھپ چھپا کر لاتے تھے اور چائے کی اسی دکان پر چوری کے سامان کو بیچنے کا بندوبست ہوتا تھا۔ چوری کی اشیاء میں پستول اور بندوقوں کو خاص مال سمجھا جاتا تھا۔

نصیر خان اور نور خان اسی چائے خانے میں جا پہنچے۔ علیک سلیک کے بعد نصیر خان نے چائے خانے کے مالک جعفر کو مسکرا کر مخاطب کیا۔ "سب ٹھیک ٹھاک ہے نا جعفر؟"

"آپ کی تربیت ہے سب۔" جعفر بھی مسکرا کر بولا۔

چائے خانے کے ملازم نے مٹی کے دو کوزوں میں ان دونوں کے سامنے چائے لا کر

رکھ دی۔ دونوں چائے پینے لگے۔

"اور سناؤ‘ جعفر دھندا کیسا چل رہا ہے؟" نصیر خان نے دریافت کیا‘ لہجے میں معنی خیزی تھی۔

"کیا بتائیں حضور‘ مالاکنڈ کی چھاؤنی میں بڑی چوکسی ہونے لگی ہے۔" جعفر نے بتایا۔

"اب تو خاص مال آتا ہی نہیں‘ ایک مدت ہو گئی۔ پچھلی بار میس کا ایک بیرا چاندی کے دو کانٹے اٹھالایا تھا۔"

"گھبراؤ مت جعفر خان!" نصیر خان نے کہا۔ "تھوڑے ہی دنوں میں ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے۔ ہمارا ایک ساتھی منصور خان آنے والا ہے۔ اس نے ایک رائفل پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ جیسے ہی وہ آئے گا‘ ہم اسے تمہارے پاس لائیں گے مگر اب کی بار پیسے ٹھیک ملنے چاہئیں۔"

"آپ بے فکر رہیں حضور!" جعفر بولا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے لالچ کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ لچی آدمی تھا۔ اس نے نصیر خان کو یقین دلایا۔ "ابھی پیر آباد کا ایک خان رائفل کے دو ہزار روپے دینے کو تیار ہے۔ کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہ ایک ولایتی رائفل دلوا دو۔ حضور! انشاء اللہ خوب اچھے پیسے ملیں گے۔ آپ اپنے ساتھی کو جلد سے جلد لے کر آئیں۔"

عیدو توجہ سے یہ باتیں سنتا رہا۔

"اور ہاں وہ........... جعفر خان‘ یہ تو بتاؤ تمہارا مہمان کیسا ہے؟" نصیر خان نے پوچھا۔

جعفر اپنے پیلے پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے حضور! اس کی نگرانی پر کڑے بندے لگا رکھے ہیں میں نے جو اس کی طرف سے ہر لحظہ چوکنا رہتے ہیں۔ وہ تو بس پڑا رہتا ہے اور سوچتا رہتا ہے۔ میں روز اس کی چائے میں پوست ملا دیتا ہوں۔" جعفر نے اپنی کارکردگی ظاہر کی۔

عیدو سمجھ گیا کہ شہباز خان کو یہیں رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد نصیر خان اور نور خان ٹاٹ کے پردے کے پاس گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دو لمبے تڑنگے آدمی باہر آئے۔ نصیر خان نے انہیں سلام کیا اور آگے بڑھ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں واپس آ گئے۔ ان کے چہروں سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ یقیناً وہ حفاظتی اقدامات سے مطمئن تھے۔ نصیر خان کے ہاتھ میں عیدو کو ایک کاغذ بھی نظر آیا مگر وہ سمجھ نہ پایا کہ اس کاغذ کی اہمیت کیا ہے! بہرحال اس نے شہباز خان کا سراغ لگا ہی لیا تھا۔

نور خان نے نصیر خان سے وہ کاغذ لے کر غور سے دیکھا۔ یہ ایک خط تھا جو شہباز سے لکھوایا گیا تھا۔ نور خان نے "ابا" کی جگہ "مہ جبیں" لکھوایا اور مزید کچھ تبدیلیاں کروا کر وہ خط اسی روز ذکاخیل کے مخبر کو تھما دیا۔ وہ مخبر خط لے کر فوراً ہی روانہ ہو گیا۔

اس مخبر نے یوسف زئی قبیلے میں پہنچ کر گلفام کا پتا معلوم کیا‘ پھر بولا۔ "مجھے اسی وقت سردار زادے سے ملنا ہے۔"

جس شخص سے مخبر نے پتا پوچھا تھا اس نے اسے فوری طور پر گلفام کے پاس پہنچا دیا۔

"سردار زادے!" مخبر نے گلفام سے کہا۔ "آپ سے مجھے ایک بہت ضروری بات کرنا ہے۔ میں شہباز خان کا دوست ہوں اور وہ آج کل بڑی مشکل میں ہے۔"

شہباز کا نام سن کر گلفام چونک اٹھا۔ پھر بے صبری سے بولا۔ "کہاں ہے شہباز خان؟"

مخبر نے جواب دیا۔ "حضور! اسے ذکاخیل کے کچھ لٹیروں نے اپنے پاس قید کر رکھا ہے اور ان کا منشا زر فدیہ کمانے کا ہے۔ ایک مرتبہ شہباز خان نے میری مدد کی تھی۔ مجھے اس کا وہ احسان اتارنا تھا۔ شہباز کو پہچان کر ہی میں نے اس کا پیچھا کیا اور پھر موقع ملنے پر میں اس سے یہ خط لے کر آ گیا۔ اس نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ خط بی بی مہ جبیں کے نام لکھ کر دیا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو میں یہ خط اور اس کا زبانی پیغام آپ تک پہنچا دوں۔" یہ سنتے ہی گلفام نے فوراً وہ خط لے لیا اور ایک ہی نظر میں پڑھ ڈالا۔ مخبر اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتا رہا‘ پھر کہا۔ "شہباز خان نے مجھے ایک بات کی ہدایت اور کی تھی اے سردار زادے! وہ ہدایت یہ تھی کہ اس معاملے میں زور زبردستی نہ کی جائے۔ اس طرح شہباز خان کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ فی الحال آپ ایک ہزار روپے کی رقم لے کر بی بی مہ جبیں اور کچھ وفادار لوگوں کے

ساتھ نکل چلیں۔"

مخبر نے محسوس کر لیا کہ شہباز خان کا خط پڑھ کر گلفام اس کے فریب میں آ چکا ہے اور ایسا ہی تھا بھی! گلفام نے فوراً مہ جبیں سے جا کر مشورہ کیا اور اس مخبر کو اپنے ایک ساتھی کے یہاں ٹھہرا دیا۔ دوسرے دن وہ اپنے باپ سے شہر گھومنے جانے کا بہانہ کر کے' اپنے پانچ ساتھیوں اور مہ جبیں کو لے کر چل پڑا۔ مخبر ان سب کی رہنمائی کر رہا تھا۔ آخر وہ سفر کرتے ہوئے منزل پر پہنچ ہی گئے۔

انہیں مخبر نے ایک سرائے میں ٹھہرا دیا اور خود نصیر خان کے پاس جا پہنچا۔ نصیر خان اس کی کارکردگی سے بہت خوش ہوا مگر گڑبڑ یہ ہو گئی کہ نور خان اپنے قبیلے میں گیا ہوا تھا۔ وہ اپنے باپ سے کسی بہانے سے رقم ہتھیانے گیا تھا۔ اسے مہ جبیں کو اپنے قبضے میں لا کر کچھ دن عیش و آرام سے گزارنا تھے اور اس کے لئے رقم بہت ضروری تھی۔ نصیر خان سے کہہ گیا تھا کہ بس آ تا جاتا ہے۔

نور خان جب اپنے قبیلے میں پہنچا تو گل سمن کو اس کی آمد کے بارے میں معلوم ہو گیا۔ اُدھر عیدو کا کچھ پتا نہ تھا۔ گل سمن کی مدد کرنے والا فی الحال عیدو کا چھوٹا بھائی کریم ہی تھا۔ وہ فوراً کریم کے پاس پہنچی اور صلاح مشورہ کرنے لگی۔ وہاں اس نے دیکھا کہ عیدو بھی تھکا ماندہ پڑا تھا۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر عیدو بھائی کہ تم مل گئے۔" گل سمن نے سکون کا سانس لیا۔

عیدو نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ "میں نور خان کا تعاقب کرتا ہوا یہاں آیا ہوں۔ گل سمن! اس کے علاوہ مجھے اپنی رائفل بھی شاید یہاں سے لے جانا تھی۔ اسی رائفل کے لالچ میں شاید جعفر مجھے شہباز خان تک پہنچا دے۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ مجھے کل صبح مہ جبیں کے بھائی سے بھی ملنے جانا ہے تاکہ وہ کہیں نور خان کی سازش کا شکار نہ ہو جائے! یہ بہت ضروری ہے۔"

گل سمن نے عیدو کی ہمت بندھائی۔ "کیوں نہیں عیدو بھائی! ہمیں یقیناً نور خان کی سازش کا توڑ کرنا چاہئے! میں تو کہتی ہوں' ہمیں ابھی چل دینا چاہئے۔ یوسف زئی قبیلہ آخر یہاں سے دور ہی کتنا ہے!" وہ بڑی پُرجوش لگ رہی تھی۔

ہرچند کہ عیدو بہت تھکا ہوا تھا مگر گل سمن کو اس معاملے میں پُرجوش دیکھ کر چلنے

پر تیار ہو گیا۔ عیدو اور گل سمن اسی وقت روانہ ہو گئے۔ جانے سے پہلے عیدو اپنے ایک دوست رفیق کو نور خان کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے کہہ گیا تھا۔

جب عیدو' یوسف زئی قبیلے میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ چند ہی گھنٹے پہلے گلفام' مہ جبیں اور ان کے پانچ ساتھی پشاور کی طرف جا چکے تھے۔ عیدو کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔ گل سمن بھی پریشان ہو گئی۔ انہیں اگر اطمینان تھا تو صرف یہ کہ نور خان ابھی اپنے قبیلے میں تھا۔

گل سمن نے اسی وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی عیدو کے ساتھ پشاور جائے گی اور نور خان کی سازش کو ناکام بنانے کی کوشش کرے گی۔ وہ جانتی تھی کہ نور خان' مہ جبیں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ دکھ کے ساتھ ساتھ اسے سخت غصہ بھی آ رہا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کا منگیتر نور خان یہاں تک گر سکتا ہے۔ نور خان شاید شہر میں پھلوں کی دکان کرنے کا فریب دے کر باپ سے رقم اینٹھنے ہی آیا تھا۔ اس نے سوچا اور اس کا اندازہ قطعی درست تھا۔ نور خان اپنے باپ سے روپے لے کر اگلے ہی دن چل دیا تھا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر گل سمن اور عیدو بھی آ رہے تھے۔

جبر خان' شہباز کے قبیلے سے واپس پشاور آ چکا تھا۔ قبیلے میں ہر طرف اداسی چھائی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود قبیلے والوں نے بات کو دبا کے رکھا تھا۔ سردار طُرے خان زر فدیہ دینے پر تیار تھا۔ اسے بس ایک ہی فکر تھی کہ کہیں شہباز خان' انگریزوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ اس کے نزدیک ایسا ہونا بہت خطرناک تھا۔ پھر شاید وہ اپنے بیٹے کو انگریزوں سے نہ چھڑا پاتا اور اسے حکومت وقت سے بغاوت کے الزام میں سزائے موت ہو جاتی۔ اس نے قبیلے کے بہت ہی دلیر قسم کے چار آدمی' جبر خان کے ساتھ کر دیئے۔ جبر خان خود عیدو کا منتظر تھا کہ آخر وہ گیا تو کہاں گیا کہ عیدو اپنے ساتھ گل سمن کو بھی لے کر پہنچ لیا۔ ان دونوں کو دیکھ کر جبر خان خاموش ہو گیا۔

سب سے پہلا کام تو شہباز خان کو رہائی دلانا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ مہ جبیں کو نور خان کے جال میں پھنسنے سے بچانا تھا۔

دوسرے ہی دن عیدو' شہباز کے دو ساتھیوں کو لے کر پرانی مسجد کے عقب میں پہنچ

گیا جہاں جعفر کا چائے خانہ تھا۔ جعفر اس وقت چائے کی کیتلی آگ پر رکھ رہا تھا۔ عیدو نے بیٹھتے ہی چائے منگوائی۔ اس کے ساتھی کچھ ہی فاصلے پر چھپے تھے۔ پھر اس نے جعفر سے رائفل کی بات چھیڑ دی اور کہنے لگا۔ "میرا نام منصور خان ہے۔ میں نصیر خان کا دوست ہوں۔"

یہ سنتے ہی جعفر کی آنکھوں میں چمک آگئی اور وہ اپنا پن دکھانے لگا۔

بات چیت کے دوران میں عیدو نے بتایا کہ یہ رائفل میں نے ایک قبیلے کے لٹیرے سے خریدی تھی جو ان دنوں مفرور ہے۔ یہ لٹیرا یوں سمجھو کہ سونے کے انڈے دینے والی مرغی ہے کیوں کہ اسے پکڑوا کر بڑے مزے سے دو ہزار روپے کا سرکاری انعام اور زمین مل سکتی ہے۔"

جعفر کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ سوچنے لگا کہ جو آدمی' نصیر خان نے یہاں قید کرایا ہوا ہے' وہی تو کہیں مفرور لٹیرا تو نہیں؟ اس نے داڑھی کھجاتے ہوئے عیدو سے کہا۔ "خان! تم اس لٹیرے کو پہچان لو گے؟"

"کیوں نہیں!" عیدو نے جواب دیا۔ "سمجھ گیا میں! تم سرکاری انعام حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

"سنو!" جعفر کی آواز دھیمی اور رازدارانہ ہو گئی۔ "ہم نے ایک آدمی پکڑ رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے دیکھ لو کہ وہی تو مفرور.........."

"خدا کرے یہ وہی آدمی ہو!" عیدو بات کاٹ کر پُرجوش آواز میں بولا۔ "مگر تم پانچ سو روپے انعام کی رقم میں سے مجھے دو گے!"

جعفر خان اول درجے کا لالچی اور فریبی تھا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر کہنے لگا۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

عیدو فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ جعفر نے ٹاٹ کا پردہ اٹھا کر تین بار دستک دی۔ اندر سے آواز آئی۔ "کون ہے؟"

جعفر نے آہستہ سے کہا۔ "دروازہ کھولو فیروز! میں جعفر خان ہوں۔"

دروازہ کھل گیا۔ اندر دو قوی ہیکل آدمی بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ وہ عیدو کو سوالیہ نظروں سے دیکھ کر جعفر کی طرف متوجہ ہوئے۔ ایک شخص نے جعفر سے آخر پوچھ

ہی لیا۔ "جعفر خان! یہ کون ہے؟ اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

جعفر نے فوراً بات بنا دی۔ "یہ ہمارا نیا نوکر جمن خان ہے۔"

تصدیق سے عیدو نے گردن ہلا دی۔ ان دونوں نے عیدو کو بغور دیکھا اور پھر جانے دیا۔ سیڑھیاں چڑھ کر اندر کمرے میں پہنچے۔ عیدو نے دیکھا کہ فرش پر شہباز خان بے سدھ پڑا بے خبر سو رہا تھا۔ جعفر خان نے اس کمرے کے دروازے پر پڑا ہوا تالا کھولا تھا اور عیدو کو اندر بلا لیا تھا۔

"ہاں اب اسے دیکھ کر بتاؤ' کیا یہ وہی مفرور لٹیرا ہے جس پر سرکاری انعام مقرر ہے؟" جعفر نے بہت ہی دھیمی آواز میں عیدو سے سوال کیا۔

عیدو نے شہباز خان سرباز پر نظر ڈالی اور جواب دیا۔ "یہ وہ نہیں ہے۔ وہ تو بڑے ڈیل ڈول والا تھا اور چہرے پر داڑھی بھی تھی۔"

جعفر مایوس ہو کر عیدو کو ساتھ لیے وہاں سے کمرا مقفل کر کے لوٹ آیا۔ اب وہ عیدو سے رائفل خریدنے کے لئے سودے بازی کر رہا تھا۔ عیدو نے فی الحال اسے ٹال دیا۔ اسے جو معلوم کرنا تھا' وہ معلوم ہو چکا تھا۔ اس نے اندر کا راز لے لیا تھا۔ شہباز خان کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اسے اطمینان ہو گیا تھا۔ وہ یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ شہباز خان کے بے سدھ پڑے رہنے کی وجہ وہ چائے تھی جو اسے روز پابندی سے پلائی جا رہی تھی۔ چائے میں اسے افیون دی جا رہی تھی۔ اس کے بعد وہاں رکنا ہی فضول تھا۔ عیدو پھر جلد آنے کا وعدہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے ذہن میں محل وقوع کو سامنے رکھ کر شہباز خان کی رہائی کے منصوبے بنانے لگا۔ نور خان کے متعلق عیدو کو جبر خان کے پاس واپس پہنچتے ہی یہ اطلاع مل گئی کہ اس کا آدمی ابھی ابھی بتا کر گیا ہے' نور خان اپنے قبیلے سے واپس پشاور پہنچ گیا ہے۔

عیدو خاصا تھکا ہوا تھا مگر نور خان پر بھی نظر رکھنا ضروری تھا سو وہ گل سمن اور شہباز کے قبیلے کے ایک آدمی کو ساتھ لے کر چل پڑا۔

اس نے گل سمن اور شمسو کو نور خان کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا۔ وہ دونوں درزی کی دکان کے پاس سے نور خان پر نظر رکھنے لگے۔

شام کو ایک آدمی ملنے آیا۔ نور خان خوش خوش اس کے ساتھ باہر نکلا۔ گل سمن

اس وقت تنہا تھی۔ شمسو کسی ضرورت سے گیا ہوا تھا۔ وہ اس طرح چادر اوڑھے ہوئے تھی کہ اس کا چہرہ نظر نہ آسکے۔ نور خان کے تعاقب میں وہ سرائے پہنچی۔ نور خان اس آدمی کو آگے کر کے الگ کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد گل سمن نے دیکھا کہ **گلفام** اور مہ جبیں اسی آدمی سے باتیں کر رہے ہیں۔ گل سمن ان دونوں کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد **گلفام** اور مہ جبیں اس آدمی کے ساتھ ہو لیے۔ گل سمن ہمت کر کے ان کا تعاقب کرتی رہی۔ اس کے پاس ایک خنجر کے سوا کچھ نہیں تھا۔

کچھ دور چل کر وہ آدمی، **گلفام** اور مہ جبیں کو ساتھ لے کر ایک مکان میں داخل ہو گیا۔ اس نے اندر گھستے ہی دروازہ بند کر لیا۔ گل سمن چکرا گئی مگر فوراً ہی اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے اپنے بڑے سے رومال میں کنکر بھرے اور پھر اس مکان کے دروازے پر دستک دینے لگی۔ ایک بڑھیا نے دروازہ کھولا۔ اسے دیکھتے ہی گل سمن بول اٹھی۔ "میں بیگم کی خادمہ ہوں۔ جو ابھی ابھی اندر گئی ہیں نا انہی بیگم کی خادمہ! جلدی میں وہ زیورات کی تھیلی بھول آئی ہیں۔ یہ انہیں دینا ہے۔" یہ کہہ کر گل سمن جواب طلب نظروں سے بڑھیا کو دیکھنے لگی۔

زیورات کا سن کر بڑھیا کی بجھی بجھی سی آنکھوں میں چمک آگئی۔ اس نے گل سمن کو اندر آنے دیا۔

اندر گھستے ہی گل سمن نے کنکروں کی پوٹلی اتنے زور سے بڑھیا کے سر پر دے ماری کہ وہ چیخے بغیر کسی کٹے ہوئے پیڑ کی طرح گر پڑی۔ پھر گل سمن نے اندر جا کر دیکھا تو **گلفام** اپنی بہن مہ جبیں کے ساتھ ایک کمرے میں بیٹھا تھا اور نصیر خان کا مخبر ان سے باتیں کر رہا تھا۔

کوئی دس منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی تو نصیر خان اور نور خان اندر آگئے۔ گل سمن نے ہاتھ سے سلام کیا اور اندر کمرے کی طرف اشارہ کر دیا۔ نصیر خان باتیں کرتا ہوا آگے بڑھنے لگا اور پھر کمرے کے پاس آکر اس نے سرگوشی کی۔ "نور خان تم یہیں رہنا سمجھ گئے۔"

نور خان نے اقرار میں سر ہلایا اور باہر کھڑا رہا۔

نصیر خان اندر پہنچا اور فوراً ہی روپوں کا مطالبہ کیا۔

گلفام نے کہا۔ "پہلے شہباز خان سے ہمیں ملوا کر اسے ہمارے حوالے کر دیا جائے تب ہم آپ کے روپے دیں گے۔"

نصیر خان بولا۔ "ہم رقم سنبھالیں اور تم شہباز خان کو! آؤ پہلے اس سے مل لو۔"

مخبر، **گلفام** اور مہ جبیں تینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان تینوں کو نصیر خان نے آگے کر دیا۔ پھر جیسے ہی **گلفام** باہر نکلا، باہر کھڑے ہوئے نور خان نے پوری قوت سے اس کے سر پر ڈنڈا مارا۔ **گلفام** "آہ" کر کے گر پڑا۔ مہ جبیں گھبرا گئی۔

اسی وقت نور خان اور مخبر نے **گلفام** کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے ایک کونے میں ڈال دیا اور تھیلی لے کر جانے لگے جس میں روپے تھے۔ یہ تھیلی انہوں نے بے ہوش **گلفام** کی جیب سے نکالی تھی۔ چلتے وقت نصیر خان نے نور خان سے کہا۔ "تم رات بھر عیش کر لو۔ کل صبح ہم اسے لینے آئیں گے۔"

نور خان جوش میں تھا اور خوش بھی! عرصہ دراز کے بعد آج اس کی ناپاک و ناآسودہ خواہشوں کی تکمیل کا وقت آیا تھا۔ کانپتی ہوئی مہ جبیں کو اس نے کمرے میں دھکیلا اور باہر سے کنڈی لگا دی۔

مخبر اور نصیر خان ابھی وہیں موجود تھے۔ نصیر خان نے نور خان کو بتایا۔ "یہ برقع والی بڑھیا اپنی ہی ہے۔ یہاں مزے سے وقت گزارو! اس کے بھائی کو دوسرے کمرے میں بند کر آؤ! اسے بھی کل یہاں سے ہٹا دیا جائے گا۔" اتنا کہہ کر نصیر خان، **گلفام** کو نور خان کے حوالے کر کے آگے بڑھ گیا۔ نور خان نے بے ہوش **گلفام** کو اٹھا لیا اور دوسرے کمرے کی طرف چل دیا۔ مخبر کے ساتھ نصیر خان دروازے کے قریب آکر بولا۔ "آج رات بھر اس لڑکی سے نور خان کو عیش کرنے دیتے ہیں۔ اچھا ہے کہ پہلے اس کے ارمان نکل جائیں، پھر میری اور تمہاری باری آئے گی اور پھر اس کے بعد.........." نصیر خان اپنی بات ادھوری چھوڑ کر آہستہ سے ہنسا۔ "اس کے بعد ہم اس لڑکی کو طوائفوں کے محلے میں لے جا کر مزے سے کم از کم دو ہزار روپے میں بیچ دیں گے۔" گل سمن یہ سن کر لرز گئی۔ نصیر خان نے اسے مخاطب کیا۔ "ہوشیار رہنا بڑی بی! کسی بھی صورت میں لڑکی کو یہاں سے فرار نہ ہونے دینا!"

گل سمن نے کچھ کہے بغیر اقرار میں سر ہلایا۔ نصیر خان اپنے مخبر کے ساتھ دروازہ

کھول کر باہر نکل گیا۔

اس عرصے میں نور خان' گلفام کو دوسرے کمرے میں ڈال کر سہمی ہوئی مہ جبیں کے پاس آگیا۔ اس نے مہ جبیں سے کہا۔ "آج ہماری شب وصل ہے جان من! میں ذرا باہر جا کر دو چار جام چڑھا آؤں۔ اس سے وصل کا مزہ دگنا ہو جائے گا۔ پھر تم مجھے اور بھی حسین معلوم ہو گی۔" اس نے پاس آ کر مہ جبیں کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ مہ جبیں اس کی آغوش سے نکلنے کے لئے مچلنے لگی اور پھر اس نے نور خان کی ایک انگلی میں کاٹ لیا۔ نور خان بلبلا اٹھا اور غصے میں آ کر مہ جبیں کے پھول سے رخسار پر طمانچہ رسید کر دیا۔ مہ جبیں چیخ اٹھی۔ نور خان بولا۔ "یہاں تمہاری چیخیں سن کر وہ خنزیر کا بچہ شہباز خان نہیں آ سکتا! اب انتظار کرنا جان من! ہم شراب پی کر مستی میں ڈوبے ہوئے ابھی آتے ہیں پھر سہاگ رات منائیں گے۔" پھر نور خان کمرے سے نکل گیا اور دروازہ باہر سے بند کر کے کنڈی لگا دی۔ اس کے بعد جیب سے تالا نکال کر ڈال دیا۔ چابی کو اس نے دروازے پر موجود گگر پر رکھ کر مہ جبیں سے کہا۔ "چابی میں یہیں رکھے جا رہا ہوں تاکہ تم یہ خیال کر کے تڑپتی رہو کہ چابی یہاں موجود ہونے کے باوجود تمہیں آزاد کرانے والا کوئی نہیں۔ ویسے تمہارا ہاتھ چابی تک نہیں پہنچ سکے گا۔ پچھلی بار جب ہم نشہ کر کے لوٹے تھے تو چابی گم ہو گئی تھی۔ چابی یہاں چھوڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر چابی کھو جائے تو مزہ کرکرا نہ ہو! آج تو لوٹتے ہی چابی چاہئے نا!" یہ کہہ کر وہ بے حیائی سے ہنس دیا۔ جاتے وقت وہ دروازے کے پاس رک کر گل سمن سے مخاطب ہوا۔ "خیال رکھنا بڑی بی! کل صبح تجھے ہم انعام دیں گے۔"

گل سمن نے شکریے کے طور پر ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ نور خان کے جاتے ہی گل سمن اس کمرے کی طرف دوڑی جہاں مہ جبیں بند تھی۔ مہ جبیں کو اس نے دروازے کے قریب موجود کھڑکی سے دیکھا جس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ مہ جبیں گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی۔ برقع میں باہر کھڑی ہوئی گل سمن نے تالا لگا دیکھ کر مہ جبیں کو مخاطب کیا۔ "سنو! گھبراؤ مت۔"

مہ جبیں نے چونک کر سر اٹھایا۔ اسے وہ نسوانی آواز آشنا سی معلوم ہوئی تھی۔ اس نے گل سمن کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میری مدد کرو..........! وہ کمینہ مجھے بے آبرو کرنا چاہتا

ہے۔ تالے کی چابی دروازے کے اوپر طاق میں ہے۔"

گل سمن نے فوراً چابی لے کر تالا کھول دیا اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ مہ جبیں حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی کہ مزید حیرانی اس وقت ہوئی جب گل سمن نے برقع اتار دیا۔

"تت.......... تم؟" مہ جبیں ہکلائی۔

"ہاں مہ جبیں بہن' میں!" گل سمن نے جواب دیا۔ "یہ شب وصل نور خان تمہارے ساتھ نہیں' میرے ساتھ ہی منائے گا۔ جلدی کرو' اپنے کپڑے اتار کر مجھے دے دو اور میرے کپڑے تم پہن لو! تمہارا بھائی بغل والے کمرے میں پڑا ہے۔ اسے سنبھال کر تم فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ اور مجھے یہیں چھوڑ جاؤ! میں دیکھوں گی مجھے مہ جبیں سمجھ کر نور خان میرا کیا حال کرتا ہے!"

مہ جبیں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں تمہارے اس احسان کا بدلہ کیسے اتاروں گی' گل سمن بہن؟"

"جلدی کرو' مہ جبیں بہن! نور خان تھوڑی دیر میں واپس آ جائے گا۔ وہ شراب پینے گیا ہے اور ہاں تم جو احسان اتارنے کی بات کر رہی ہو' اس احسان کا بدلہ بھی میں تم سے اسی وقت مانگے لیتی ہوں۔"

"وہ.......... وہ کیا؟" مہ جبیں نے آنسو پونچھتے ہوئے سوال کیا۔

"کل صبح یہاں کچھ آدمی ضرور بھیج دینا!" گل سمن بولی۔ "میرے احسان کا یہی بدلہ کافی ہو گا۔"

"میں ضرور چار پانچ آدمی یہاں بھجوا دوں گی مگر تم سب کچھ...... یہ سب کچھ کیوں کر رہی ہو؟ تم بھی یہاں سے ہمارے ساتھ ہی نکل چلو نا!" مہ جبیں نے کہا۔

"نہیں! میں یہیں رہنا چاہتی ہوں۔ نور خان کو شاید یہ نہیں معلوم کہ نصیر خان کل صبح اس سے مجھے چھین لے گا۔ پھر نصیر خان اور اس کا مخبر مجھ سے عیش کرنے کے بعد مجھے طوائفوں کے ہاتھ بیچ دیں گے۔"

مہ جبیں کے جسم میں یہ سن کر کپکپی سی دوڑ گئی۔ وہ کہنے لگی۔ "مجھے یہ معلوم نہیں تھا۔"

"یہ تو نور خان کو بھی معلوم نہیں۔" گل سمن نے بتایا۔

"میرا کہنا مانو تو تم بھی میرے ساتھ نکل چلو!" مہ جبیں نے پھر اصرار کیا۔

گل سمن نے پھر انکار کر دیا۔ "میں نور خان کی ہوس اور وحشت دیکھنا چاہتی ہوں۔ آخر میں اس کی منگیتر بھی تو ہوں نا! جہاں تک ہو سکے گا' میں کسی کو بھی نور خان کی بننے نہ دوں گی! مجھے چاہے اس کے لئے کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینا پڑے۔"

"تمہاری محبت ایک حق ہے بہن! جسے ہر آبرومند عورت چھیننا اپنا فرض سمجھے گی بہن! یقین کرو صبح انشاء اللہ تم باعزت و باآبرو ہی یہاں سے نکلو گی۔ کوئی بھی طاقت تمہیں کسی اور راستے پر نہیں ڈال سکتی!" مہ جبیں نے کہا۔

مہ جبیں نے گل سمن کے کپڑے پہن لیے اور پھر برابر والے کمرے میں جا کر اپنے بھائی گلفام کو ہوش میں لانے کے لئے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ کچھ ہی دیر میں گلفام کراہنے لگا۔ وہ ہوش میں آ رہا تھا۔ مہ جبیں اسے سہارا دے کر اٹھانے لگی۔

گلفام کو سہارا دیئے مہ جبیں کمرے سے نکلی اور سامنے کھڑی ہوئی گل سمن سے مخاطب ہوئی۔ "شبِ وصل مبارک ہو گل سمن بہن!"

جواب میں گل سمن کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک کر خوب صورت رخساروں پر بہنے لگے۔

تقریباً گھنٹے بھر بعد نور خان نشے میں جھومتا ہوا آیا۔ گھر کا دروازہ اسے بھڑا ہوا ملا۔ یہ دیکھ کر وہ مدہوشی کے باوجود کچھ بوکھلایا اور پھر لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے کی طرف بڑھا۔ مہ جبیں کے کپڑے پہنے ہوئے گل سمن اس کی جگہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ایک لرزتی ہوئی شمع قریب ہی جھلملا رہی تھی۔ نور خان نے طاق سے چابی لے کر دروازہ کھولا اور پھر کنڈی کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔

"مہ جبیں' میری جان!" نشے میں نور خان بڑبڑا رہا تھا۔ "آج تمہیں مجھ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا!" پھر اس نے گل سمن کو دبوچ لیا۔ گل سمن سسکیاں بھرنے لگی تو وہ کہنے لگا۔ "رونے کی کوئی بات نہیں جان من..........! یہ تو مزے کی رات ہے۔ تمہیں بھی مزہ.........."

"اس کے بعد تم مجھ سے شادی کر لو گے نا خان؟" گل سمن نے روتے ہوئے کہا

نشے کے سبب نور خان اپنی منگیتر کی آواز نہ پہچان سکا اور اسے مہ جبیں ہی سمجھتے ہوئے ہنس کر بولا۔ "شادی..........؟ نہیں مہ جبیں جان من! ہم تم سے شادی نہیں کر سکتے۔ ہاں ہم تمہارے ساتھ شبِ وصل ضرور منائیں گے اور.......... اور صرف آج ہی کی رات نہیں بلکہ کئی راتیں! تاکہ تم سے ہمارا جی بھر جائے۔ شادی اگر ہماری ہو گی تو صرف گل سمن کے ساتھ ہو گی! یہ ابا کا حکم ہے۔ انہوں نے زبان دے رکھی ہے۔" نور خان خاصی شراب پینے کے باوجود ایک ادھا جیب میں بھی رکھ لایا تھا۔ اس نے جیب سے وہ ادھا نکالا اور اسے کھول کر ایک گھونٹ بھرنے کے بعد بولا۔ "گل سمن میں کیا کمی ہے۔ وہ بھی خوب صورت ہے مگر تم سے تو ہمیں بدلہ لینا ہے۔ شہباز خان اب جیل میں سڑے گا۔ تب ہم اسے دیکھنے جایا کریں گے۔"

گل سمن یہ سن کر حیرت زدہ رہ گئی۔ اسے مہ جبیں سمجھ کر نور خان اس پر ٹوٹ پڑا۔ کچھ دیر تک گل سمن نے مزاحمت کی مگر جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ نور خان کی وحشت لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی ہے۔ گل سمن نے کبھی جو خواب دیکھا تھا' وقت سے پہلے اس کی تعبیر مل گئی تھی۔ اس کا منگیتر اس کا رقیب نور خان اس پر چھا چکا تھا۔ نور خان نے اسے فتح کر لیا تھا۔ اس شکست میں جو لذت تھی' اسے گل سمن ہی محسوس کر سکتی تھی۔

☆=====☆======☆

پرانی مسجد کے عقب میں عیدو' جعفر کے چائے خانے میں پہنچا تو اس کے ہاتھ میں رائفل دیکھ کر جعفر کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ عیدو نے رائفل اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ جعفر اس طرح رائفل پر ہاتھ پھیرنے لگا جیسے وہ کوئی سال بھر کا پیارا بچہ ہو۔

"بہت بڑھیا مال ہے خان!" جعفر نے تعریف کی۔

"کتنے کا مال ہے خان؟" عیدو نے پوچھا۔

"بالکل نئی رائفل ہے' تین ہزار سے کم میں کیا جائے گی' ایک ہزار کمیشن میرا ہو گا گا!" جعفر سودے بازی پر اتر آیا۔ "پیسے رائفل بکنے کے بعد ملیں گے۔"

عیدو آہستہ سے بولا۔ "میں یہ رائفل تمہیں مفت دینے کو تیار ہوں خان!" جعفر نے اسے بے یقینی سے دیکھا تو وہ مزید بولا۔ "اس بہترین نئی ولایتی رائفل کے عوض تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا خان!"

جعفر چونک اٹھا۔ "کیا کام ہے تمہارا؟؟" اس نے سوال کیا۔

"وہ قیدی ہمیں دے دو خان!" عیدو نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "قیدی ہمارا' رائفل تمہاری! بولو' سودا منظور ہے؟؟"

جعفر سوچ میں پڑ گیا۔ کبھی وہ رائفل کی جانب دیکھتا' کبھی عیدو کی طرف۔ بڑی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔ "خان! نصیر خان اور داروغہ ہم کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔" اس کے چہرے سے گھبراہٹ کا اظہار ہو رہا تھا۔

"ان کی پرواہ مت کرو جعفر خان! میرے پاس بھی آدمی موجود ہیں۔" عیدو نے کہا۔ "کسی کو بھی اس قیدی کی جگہ رکھا جا سکتا ہے۔"

یہ سن کر جعفر خان چونک اٹھا۔ "ہاں' یہ ٹھیک ہے۔ قیدی کی جگہ تم اپنا ایک آدمی چھوڑ دو۔ تب ہم کہہ سکتا ہے کہ قیدی کو تو ہم نے اس روز دیکھا اور نہ ہی اسے پہچانتا ہے۔ پھر ساری تہمت نصیر خان کے ساتھ آنے والے اس آدمی پر لگ سکتی ہے کیونکہ وہ کئی بار یہاں آ چکا ہے۔ وہ آتا ہے اور قیدی کو مار پیٹ کر گالیاں بکتا ہے' پھر چلا جاتا ہے۔ قیدی نشے کی وجہ سے نڈھال پڑا پٹتا رہتا ہے۔"

عیدو سمجھ گیا کہ وہ آنے والا نور خان کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ وہ سوچتا رہا اور بولا۔ "ٹھیک ہے خان! ہمیں سودا منظور ہے۔ کل ہم آئے گا اور قیدی کے عوض کسی آدمی کا بھی انتظام کرے گا۔ کل قیدی باہر ہو گا اور یہ ولایتی نیا رائفل تمہارا۔"

"یہ راز بس تمہارے اور ہمارے درمیان ہے خان!" عیدو چلنے لگا تو جعفر نے کہا۔

عیدو نے قسم کھا کر جعفر کو رازداری کا یقین دلایا۔

وہاں سے لوٹ کر عیدو سیدھا میس میں آیا۔ اس نے جبر خان کو سب کچھ بتا کر کہا۔ "تمہیں کل میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ میں خود تو شہباز کی جگہ وہاں قیدی بن کر رک جاؤں گا۔ تم شہباز خان کو لے کر پائل والی گلی کے نکڑ پر حسینی درزی کی دکان کے سامنے پہنچ جانا۔ وہاں تمہیں گل سمن ملے گی۔ اس سے مل کر مہ جبیں کو نور خان کے چنگل سے بچانے کی کوشش کرنا۔ شہباز خان کی دی ہوئی رائفل جعفر کو دینا پڑے گی۔ اگر میں بچ گیا تو کہیں نہ کہیں سے شہباز خان کو رائفل لا کر دے دوں گا' مارا گیا تو دوسری بات ہے۔"

جبر خان اسے دیکھتا رہا' پھر کہنے لگا۔ "تم پٹھان کے بچے ہو عیدو خان! تمہاری

عقیدت مندی کی اُرک زئی قبیلہ ہمیشہ قدر کرے گا۔"

دوسرے دن شہباز خان کی جگہ عیدو اس کمرے میں قید ہو گیا۔ شہباز خان نشے میں کچھ نہیں سمجھ پایا کہ کیا ہو رہا ہے۔ مرجھائے ہوئے شہباز خان کو جبر خان اور اس کے ساتھی وہاں سے لے آئے۔ عیدو کے چہرے پر جلال سا تھا۔ چلتے وقت اس نے جبر خان سے کہا۔ "شہباز خان کا جب نشہ اتر جائے اور وہ ہوش میں آ جائے تو اس کو بتا دینا کہ سب مہمند خراب نہیں ہوتے' صرف حالات ہی انہیں خراب یا اچھا بنا دیتے ہیں۔"

☆=====☆======☆

نور خان جب صبح بیدار ہوا تو شراب کے خمار کی وجہ سے اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔ اس نے کونے میں پڑی بے حال گل سمن کو دیکھا۔ مسکراتے ہوئے وہ اس کے قریب پہنچا اور اسے پلٹتے ہوئے مخاطب کیا۔ "مہ جبیں!" نور خان بس اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے غور سے گل سمن کے چہرے کو دیکھا کہ کہیں اس کی بصارت اسے دھوکا تو نہیں دے رہی! پھر اپنی بصارت پر یقین آنے کے بعد وہ بولا۔ "گل سمن! تم؟؟"

اس وقت تک گل سمن جاگ چکی تھی۔ وہ مسکرا کر کہنے لگی۔ "ہاں نور خان میں! ابھی نصیر خان آتا ہو گا اور وہ مجھے تم سے مہ جبیں سمجھ کر چھین لے گا۔ خود وہ بھی اور اس کا مخبر بھی میرے ساتھ عیش کرنے کے بعد طوائفوں کے ہاتھ بیچ دیں گے۔ مجھے اس بات کی تسکین ہے کہ میں جس کی امانت تھی' پہلی بار اسی نے میرے جسم کو ہاتھ لگایا۔ اس کے بعد اور کون کون میرے جسم سے کھیلے گا' بھگت لوں گی۔"

نور خان تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چیخا۔ "نہیں.........! یہ نہیں ہو سکتا! تمہیں کوئی مجھ سے نہیں چھین سکتا گل سمن! تم فقط میری ہی نہیں پورے مہمند قبیلے کی امانت ہو۔ تم مہمندوں کی عزت ہو! ان کے سردار ہلال خان کے گھر کی رونق ہو تم!"

گل سمن ہنس دی' پھر بولی۔ "تمہیں اپنے قبیلے کی اتنی فکر ہے نور خان! کیا دوسرے قبیلوں کی عزت نہیں ہوتی؟ کیا ان کی آبرو اور امانت نہیں ہوتی؟؟"

"ہوتی ہے۔" نور خان نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "مگر دشمن پر ہر وار جائز ہوتا ہے۔"

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ نصیر خان دو افراد کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ "کہو نور خان' شبِ وصل کیسی گزری؟" وہ آتے ہی ہنس کر کہنے لگا۔

نور خان اسے گھور کر عجیب سی آواز میں بولا۔ "ایک رات کا کیا ذکر نصیر خان! یہ تو اب ہماری زندگی کی ہر شب کو چاند ستاروں سے سجایا کرے گی۔"

"نہیں خان!" نصیر خان نے انکار میں سر ہلایا۔ "بات صرف ایک رات کی ہوئی تھی۔ تمہارے ارمان نکل گئے' اب ہماری باری ہے۔ اس کے بعد ہم پیسے کھرے کر لیں گے اور اسے طوائفوں کے ہاتھ بیچ کر جو رقم ملی' اس میں تمہارا حصہ بھی ہو گا۔"

نصیر خان کی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ نور خان کا ہاتھ گھوم گیا۔ اس نے نصیر خان کے منہ پر زوردار طمانچہ مارا۔ نصیر خان اسے حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ تبھی نصیر خان کے دونوں ساتھی' نور خان پر جھپٹے۔ گتھم گتھا شروع ہو گئی۔

"ٹھہرو!" ایک آواز اچانک گونجی اور ان سب کے ہاتھ رک گئے۔ جو جہاں تھا وہیں رک گیا۔

وہ سب دنگ رہ گئے۔ گلفام اپنے ہاتھ میں دونالی لیے ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے دائیں بائیں چار افراد اپنے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لیے موجود تھے۔

گلفام نے آگے بڑھ کر گل سمن کو اٹھایا جو ایک شخص کا دھکا لگنے سے گر گئی تھی۔ گلفام نے اسے مخاطب کیا۔ "چلو بہن! نور خان اپنے دوستوں سے نمٹ کر خود آ جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے گلفام کی نظریں نور خان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

گل سمن بولی۔ "نہیں۔ نور خان ہمارے ساتھ ہی چلے گا۔"

"تم جاؤ گل سمن! میں اپنے دوست نصیر خان کی آنکھیں کھول کر بعد میں تم سے آ ملوں گا۔" نور خان نے کہا۔

گلفام ہنسا۔ "نور خان! ہم تمہارے دوست نصیر خان کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ ایک ہزار روپے ہماری بستی میں بھجوا دینا اور اپنے دوست کو چھڑا لینا ورنہ ہم اس کی گردن پر چھری پھیر دیں گے۔" یہ کہتے ہی گلفام نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

نصیر خان کو دبوچ کر باندھ لیا گیا۔ گل سمن کو بھی گلفام اس کی رضامندی کے بغیر ساتھ لے چلا۔ وہ سب باہر موجود گاڑی میں جا بیٹھے اور گاڑی چل دی۔

"سیدھے سرائے چلو حلیم!" گلفام نے گاڑی چلانے والے سے کہا۔ "وہاں سے مہ جبیں کو ساتھ لے کر ہم اپنے قبیلے پہنچ کر ہی دم لیں گے۔ شہباز خان پنجرے سے باہر آ گئے ہیں۔ شیر کی پروا اب نہیں رہی۔ ہم شہباز خان کے دم خم کو جانتے ہیں۔ اب انہیں کوئی نہیں پکڑ پائے گا۔"

☆-----☆------☆

شہباز کو جبر خان میس کے کوارٹر میں لے آیا تھا۔ چوبیس گھنٹے تک شہباز نشے میں کھویا کھویا سا رہا۔ افیون کا اس کے ذہن پر اثر تھا۔ جبر خان جانتا تھا کہ نشے کا توڑ نشہ ہے۔ اس نے میس سے بڑھیا برانڈی لا کر گرم گرم دودھ میں ملا کر شہباز کو دو تین مرتبہ پلائی اور گھی میں بھون کر مرغی بھی کھلائی۔ شہباز کی حالت بہتر ہونے لگی۔ وہ جیسے کسی دیکھے ہوئے خواب کو یاد کر رہا تھا۔ معاً وہ انگڑائی لے کر کھڑا ہوا۔

جبر خان اسے اٹھتے دیکھ کر خوش ہو گیا اور بولا۔ "اب کیسے ہو چھوٹے سردار؟"

شہباز جواباً مسکرایا۔

جبر خان نے اسے ہوش میں آتا دیکھ کر سارا ماجرا اول تا آخر بیان کر دیا۔ مہ جبیں جاتے وقت بت بنے شہباز سے مل کر گئی تھی۔ شہباز اسے کھوئی کھوئی نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔ گلفام نے اپنی بہن کی ڈھارس بندھائی تھی کہ شہباز کو کوئی نشہ آور چیز پابندی سے کھلائی گئی تھی جس کا اثر اس کے ذہن پر تھا۔ جبر خان اور قبیلے کے چار ساتھیوں کے پاس شہباز کو چھوڑ کر گلفام چل دیا۔ اسے جلد ہی وہاں سے روانہ ہونا تھا۔ مہ جبیں کے علاوہ اس کے ساتھ گل سمن اور نصیر خان بھی تو تھے!

شہباز نے پوری بات سن کر سب سے پہلے اپنی رہائی پر نماز شکر ادا کی' پھر کہنے لگا۔ "چچا! جہاں مجھے رکھا گیا تھا وہ جگہ تمہیں معلوم ہے کہ کہاں ہے؟ عیدو کا احسان میرے ضمیر کو چین نہیں لینے دے گا۔ وفادار دوست خدا کی عطا ہوتے ہیں۔ میں اپنی جان پر کھیل کر عیدو کو وہاں سے نکال لاؤں گا۔"

جبر خان کو وہ جگہ معلوم تھی۔ اس نے شہباز کو بتا دیا پھر بولا۔ "وہ علاقہ پولیس والوں کی بستی کہلاتا ہے۔ چالیس پچاس پولیس والے ہر وقت وہاں موجود رہتے ہیں۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے بہت سوچنے اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔"

شہباز نے عیدو کو رہا کرانے کے لئے منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو بھیج کر باقی ماندہ رفیقوں کو بلوا لیا۔ وہ بھی بھیس بدل کر دو دن میں اکٹھے ہو گئے۔ شہباز نے پہلے تھانے پر اپنا مخبر چھوڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اسے خبر ملی کہ عیدو ابھی قید میں ہے لیکن نور خان کا کوئی پتا نہیں۔ ابھی تک کسی کو معلوم نہیں ہوا کہ شہباز کی جگہ عیدو قید ہے اور نصیر خان' یوسف زئی قبیلے میں پہنچ چکا ہے۔ شہباز آخر کار پرانی مسجد کے عقب میں اس جگہ کی طرف جھپٹ پڑا جہاں عیدو کو قید کیا گیا تھا۔

جعفر کو شہباز خان نے رسیوں سے باندھ دیا اور عیدو کی دی ہوئی رائفل اس سے چھین لی۔ اس کے علاوہ اسے جعفر کے ٹین کے صندوقچے میں سے چوری کیے ہوئے دو ریوالور اور [illegible]۔ [illegible]انی مسجد میں گھس کر اس نے جعفر کے چاروں قوی ہیکل ساتھیوں کو بھی قابو میں کر لیا۔ ان کی مشکیں کس دی گئیں۔ یہ وہی چاروں تھے جو باری باری پہرا دیتے تھے۔ عیدو اس وقت لاچار سا پڑا تھا۔ دروازہ کھول کر شہباز نے عیدو کو اٹھایا۔

"عیدو۔" اس نے عیدو کو گلے سے لگا کر کہا۔ "تمہاری دوستی اور وفاداری کا بیان ہمارے قبیلے کے جشنوں میں ہوتا رہے گا۔ تم شہباز خان کے لئے باعث عزت ہو۔"

عیدو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ شہباز نے اس کوٹھڑی میں جعفر اور اس کے چاروں ساتھیوں کو بند کر دیا اور پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر چل دیا۔

راستے میں عیدو نے تمام واقعات بیان کر دیے۔ شہباز نے بار بار عیدو کے ہاتھ چومے۔ "دوست! اگر تم اس روز میلے میں موجود نہ ہوتے تو میں تو خیر برباد ہوتا ہی مگر مہ جبیں کی عزت و آبرو بھی لٹ جاتی۔" شہباز کہہ رہا تھا۔ "تم نے دو قبیلوں کی آبرو کی شمع کو بجھنے سے بچایا ہے دوست! تمہارے احسان کا بدلہ شاید دونوں قبیلے نہیں اتار سکیں گے۔"

شہباز کی آنکھوں میں بار بار نور خان کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ جبر خان سے اسے معلوم ہوا تھا کہ نور خان کی منگیتر ہی نے مہ جبیں کی آبرو کو لٹنے سے بچایا تھا۔ اگر وہ نہ ہوتی تو مہ جبیں' نور خان کے ہاتھوں خوار ہو کر زندگی بھر اپنے دامن سے بے آبروئی کا داغ نہ دھو پاتی۔ مہ جبیں نے اشارہ بھی دیا تھا کہ جب شہباز اپنے حواس میں آ جائے تو اسے یہ بات ضرور بتائی جائے ورنہ تو نور خان کو تڑپا تڑپا کر مار دینے کی سزا بھی کم تھی۔ اس نے جو کچھ

بھی کیا ہو مگر پھر بھی گل سمن کا ہونے والا شوہر تھا۔ گل سمن کے احسان کا بدلہ اس کے منگیتر کی زندگی ہی ہو سکتی تھی۔ شہباز اسی لیے اپنے غصے کو بار بار پی جاتا تھا۔ وہ خود سے بحث کرتا تھا۔ اس خنزیر کی بوٹی بوٹی کاٹ کر مجھے چیل کوؤں کو کھلانا چاہئے! مگر کیا کروں' مجھے مہ جبیں کا حکم ماننا ہی پڑے گا۔ گل سمن اور عیدو' نور خان سے گہری وابستگی و تعلق رکھنے کے باوجود میری زندگی پر چھائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے خود دکھ سہے تاکہ مجھ اور مہ جبیں پر کوئی آنچ نہ آئے۔ نور خان کو سزا تو ملے گی مگر رحم و انصاف کے تقاضے بھی مدنظر رکھنا ہوں گے۔ شہباز نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دے دی کہ نور خان جہاں بھی ملے اسے پکڑ لیا جائے۔

عیدو کی ہدایت کے مطابق جبر خان نے بھی کیپٹن جیمس کے کانوں میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اس کی بیٹی کو اٹھا کر لے جانے والا بدمعاش اور اپنا نام فریب سے شہباز خان بتانے والا ذلیل شخص آج کل یہیں گھوم رہا ہے۔ کیپٹن جیمس نے پولیس کپتان کیپٹن پیٹرز کو یہ بات بتا دی تھی۔ پیٹرز نے جب پولیس تھانوں کو آگاہ کیا تو داروغہ چونکا۔ اسے یہ حقائق نصیر خان نے نہیں بتائے تھے۔

داروغہ سہا ہوا کوتوال کے پاس پہنچا اور اس نے نئے مخبروں کا رجسٹر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس میں نور خان کی بھی تصویر لگی ہوئی تھی۔ رجسٹر پولیس کپتان کے پاس پہنچ گیا۔ جب کیپٹن جیمس کو وہ رجسٹر دکھایا گیا تو اس نے رجسٹر میں لگی ہوئی نور خان کی تصویر کو پہچان لیا۔

"یہی وہ شخص ہے جس سے جیمس خود حساب چکانا چاہتا ہے۔" کیپٹن جیمس خوش ہو کر بولا۔

داروغہ کو جب یہ حکم سنایا گیا تو اس نے فوراً ہی نصیر خان کو طلب کر لیا لیکن وہ کبھی کا مطلوبہ پتے سے غائب ہو چکا تھا۔ داروغہ اپنے کچھ سپاہیوں کے ہمراہ جعفر کے چائے خانے پہنچا تو وہاں کا منظر دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ جعفر اور اس کے چاروں ساتھیوں کو کھولا گیا۔ جعفر نے صورت حال کا اندازہ لگاتے ہی رو رو کر ایک اور ہی کہانی سنائی۔ کہانی یہ تھی کہ نور خان ہی قیدی کو چھڑا کر لے گیا اور یہ کہ نصیر خان بھی غائب ہے۔ داروغہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ نور خان تو چلا ہی گیا' شہباز خان کے غائب ہو جانے سے

سرکاری انعام اور تمغا بھی لیا۔

"سب جوئے خانے اور ناچ گھر چھان ڈالو۔" داروغہ نے دانت پیستے ہوئے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا۔ "آخر جائے گا کہاں وہ حرام زادہ!"

تمام مخبروں کو نور خان کی ایک ایک تصویر بنوا کر تھما دی گئی۔ وہ نور خان کی تلاش میں نکل گئے۔

[illegible] "چاہنے والے" تلاش کر رہے تھے۔ کیپٹن جیمس، [illegible] خان! تقریباً پانچ گھنٹے بعد ایک مخبر اطلاع لے کر آیا کہ نور خان، رقاصہ رخسانہ کے گھر چھپا ہوا ہے۔

داروغہ سپاہیوں [illegible] لے کر فوراً ہی وہاں پہنچا۔ رخسانہ نے دستک سن کر جب دروازہ کھولا تو [illegible] اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ مکان کی تلاشی لینے پر نور خان ایک چارپائی کے نیچے چھپا [illegible] داروغہ نے نور خان کو گرفتار کر لیا۔ ہنٹر مار مار کر نور خان کی پیٹھ [illegible] خان چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ "حضور! نصیر خان کو یوسف زئی قبیلے کے [illegible] ہیں۔"

"سور کے بچے! یہ سب [illegible] اگر تو اس لڑکی کا رونا نہ روتا تو میری اسکیم کتنی عمدہ چل رہی تھی۔" [illegible] اپنے پیر سے جوتا اتارا اور نور خان پر پل پڑا۔ وہ نور خان کے سر پر [illegible] خان روتے چلاتے بے حال ہو گیا۔ اسے پیٹتے پیٹتے داروغہ تھک [illegible] "خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب میں تمہیں تمہارے ایک اور عاشق کے پاس بھیج رہا ہوں۔ وہ تمہاری خاطر تواضع کے لئے بے چین بیٹھا ہوا ہے، بیٹے!"

نور خان خوفزدہ ہو کر داروغہ کی طرف دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ داروغہ مجھے شہباز خان کے حوالے کرنے سے تو رہا، پھر میرا یہ نیا قدر داں کون ہو سکتا ہے؟

"دیوان [illegible]!" داروغہ چیخا۔ "اس حرام زادے کو باندھ کر گاڑی میں ڈال دو اور کیپٹن جیمس کے پاس بھیج دو۔ اس کی [illegible] کو یہ اٹھا کر لے گیا تھا۔ کیپٹن صاحب اسے اس احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں۔"

[illegible] اور ذلیل و رسوا نہیں ہوا تھا۔ کیپٹن

جیمس کا نام سن کر تو اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ وہ روتے ہوئے داروغہ سے التجا کرنے لگا۔

"حضور! آپ چاہیں تو مجھے اپنے ہاتھوں سے مار دیں مگر وہاں نہ بھیجیں!"

جواب میں داروغہ نے زور کی ایک لات ماری۔ نور خان دور جا گرا۔ پھر اسے کسی بوری کی طرح اٹھا کر گاڑی میں پھینک دیا گیا۔

کیپٹن جیمس بڑی بے صبری سے نور خان کا انتظار کر رہا تھا۔ گاڑی جیسے ہی اس کے بنگلے میں گھسی، وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی بیوی، اس کی بیٹی کے ساتھ برآمدے میں کھڑی تھی۔

گاڑی سے ادھ مرے نور خان کو اتارا گیا۔ جیمس نے اپنی بیوی کو بلا کر نور خان کا چہرہ دکھایا۔

"یہ شکل ہی سے شیطان لگتا ہے۔" وہ بولی۔

جب جیمس کی بیٹی ڈیفنی قریب آئی تو نور خان پر نظر پڑتے ہی ڈر گئی اور بولی۔ "یہی ہے وہ ڈیول، پاپا!"

جیمس نے اپنا بید ڈیفنی کو دے دیا اور کہا۔ "جی بھر کے مار دو اس ڈیول کو۔"

ڈیفنی نے باپ کے ہاتھ سے بید لے کر نور خان کی پیٹھ پر مارا۔ نور خان کا پٹ پٹ کر پہلے ہی برا حال تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر آنسو بھری آنکھوں سے ڈیفنی کو دیکھ کر منہ ہی منہ میں کچھ کہہ رہا تھا۔

ڈیفنی نے ہاتھ روک دیا اور معصومیت سے بولی۔ "یہ رحم کی بھیک مانگتا ہے ممی! تم نے کہا تھا کہ عیسیٰ مسیح رحم اور محبت کا سبق پڑھانے دنیا میں آئے تھے۔ میں نے اس لیے اسے معاف کر دیا ہے۔"

یہ سن کر کیپٹن جیمس اور اس کی بیوی گنگ ہو کر رہ گئے۔ پھر چند لمحے بعد جیمس نے نور خان کے بال پکڑ کر اس کا سر اٹھایا اور کہا۔ "تم نے سنا کتے! میری بچی کیا کہہ رہی ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اس نے تم پر رحم کھا کر تمہیں معاف کر دیا ہے۔"

نور خان روتے ہوئے بولا۔ "حضور! آپ یقین کیجئے، مجھے اس معصوم بچی نے وہ سزا دی ہے کہ میں زندگی بھر تڑپتا رہوں گا۔"

جیمس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "اسے کورٹ گارڈ میں بند کر دو! اسے چیف کمشنر کے

رو بہ رو پیش کیا جائے گا۔"

سپاہی نور خان کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے اور اسے لے جا کر فوج کے کورٹ گارڈ میں بند کر دیا۔ جب شام کو میس میں اس بات کا ذکر ہوا تو جبر خان کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے دوسرے ہی دن شہباز خان کو بتا دیا کہ نور خان کورٹ گارڈ میں بند ہے۔

کورٹ گارڈ پر حملہ کرنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ گوروں کی ایک ٹکڑی وہاں مستعدی کے ساتھ پہرا دیتی تھی۔ دو مشین گنیں ہمیشہ تیار رہتی تھیں۔ کورٹ گارڈ کے چاروں طرف دہرے خاردار تار لگے ہوئے تھے۔ شہباز سوچ میں پڑ گیا۔ رات کو اس نے ساتھیوں سے صلاح مشورے کیے۔ اس نے خود بھی اس جگہ کا دور سے جائزہ لیا۔ اس جگہ حملہ کرنا ناممکن تھا۔

اچانک شہباز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ "ایک ترکیب ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔ پھر اس نے سب ساتھیوں کو وہ ترکیب بتائی۔ وہ ترکیب بھی خطرناک تھی مگر اس پر عمل بہرحال کیا جا سکتا تھا۔ "کل شام کو سب تیار رہنا! شام ہوتے ہی ہم یہاں سے چل دیں گے۔" شہباز نے کہا۔

☆=====☆======☆

سورج کسی دائرے کی صورت میں بستی پر ٹنگا ہوا سا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ ہم مغرب سے پہلے لوٹ آئے۔" گلفام بولا۔

سبھی قبیلے کی آبادی میں پہنچ گئے تھے۔ نصیر خان ایک کونے میں اداس سا بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے۔ گل سمن کو مہ جبیں نے اپنے پہلو میں بٹھا رکھا تھا۔ سب اتر کر ہاتھ پاؤں سیدھے کرنے لگے۔

"ماموں خان!" گلفام کی آواز بلند ہوئی۔ اس نے نصیر خان کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کمینے کو حویلی کے تہہ خانے میں بند کر دو! اسے کھانا پانی دیتے رہنا۔ یہ مرنا نہ چاہیے۔ بند کرنے سے پہلے دیکھ لینا کوئی ہتھیار وغیرہ تو اس کے پاس نہیں۔"

نصیر خان کو تہہ خانے میں بند کر دیا گیا۔

"شاید مہ جبیں کا جھکاؤ طرے خان کے بیٹے شہباز خان کی طرف ہے۔" سب کچھ سننے کے بعد گلاب خان آہستہ سے بولا۔ "لگتا ہے' اللہ کو یہی منظور ہے کہ دونوں قبیلے پرانی دشمنی کو دفن کر دیں۔ پھر بھی یہ پیغام طرے خان کی طرف سے آنا چاہیے۔"

گل سمن کو مہ جبیں اندر لے گئی۔ رات کو اس نے گل سمن کو اپنے کمرے ہی میں سلایا۔ سونے سے پہلے گل سمن نے اداس ہو کر کہا۔ "نہ جانے نور خان پر کیا گزر رہی ہوگی۔ ہم اسے بھی وہاں سے اپنے ساتھ ہی نکال کر لے آتے تو اچھا ہوتا۔"

مہ جبیں بولی۔ "برا نہ ماننا بہن! اس کا یہاں آنا میرے بھائی سے صبر نہ ہونے دیتا۔ نور خان بہرحال میری آبرو کا دشمن تھا اور یہ بات گلفام کے علم میں آ چکی تھی۔ تم ہی بتاؤ' ایک بھائی اپنی بہن کی عزت و آبرو سے کھیلنے کی خواہش رکھنے والے کو کس طرح معاف کر سکتا ہے؟ پھر بھی اس نے بڑے صبر سے کام لیا اور اس کی وجہ صرف تم ہو! سنو بہن' نور خان کے گناہ اس کی زندگی کے ہر پہلو سے ابھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ غداری

قبیلوں کے پرانے رشتوں میں زہر گھولنا' کسی دوسرے قبیلے کی دوشیزہ کو بے آبرو کرنے کی سازشیں' کیا نہیں کیا نور خان نے! مگر بہن تمہاری حق پرستی نے میرے غصے کو کافور کر دیا ہے۔ تمہارا احسان نور خان کی زندگی پر ایک خدائی رحمت کی طرح سایہ ڈالتا رہے گا۔ میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ تمہاری زندگی کی خوشیاں اپنی عزت کے بدلے کی آڑ میں برباد کر ڈالوں۔ یقین رکھو بہن' شہباز خان بہادر ہونے کے ساتھ ہی موم جیسا نرم دل بھی رکھتے ہیں۔ نور خان کا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔"

گل سمن اپنے منگیتر نور خان کے کرتوتوں کو یاد کر کے مہ جبیں سے نظریں ملاتے ہوئے کتراتی تھی مگر نور خان جیسا بھی تھا بہرحال اس کا تھا۔

مہ جبیں نے گل سمن کو اپنا خاص مہمان بنا کر رکھا۔ دوسرے دن گلفام اور اس کے ساتھی' گل سمن کو اس کے قبیلے میں پہنچا آئے۔

گل سمن اپنی ماں سے لپٹ کر خوب روئی اور اسے بہ مشکل صرف اتنا بتایا کہ نور خان مصیبت میں گرفتار ہے۔ اس نے ماں سے کہا' میں اسی کو بچانے گئی تھی اور کسی حد تک اس کی خیریت کا انتظام بھی کر آئی ہوں۔

شام کو گل سمن نہا دھو کر سردار ہلال خان کے پاس گئی۔ سردار کو سلام کر کے وہ بولی۔ "ابا جان! میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنے آئی ہوں۔"

سردار ہلال خان چونکے۔ "کیا باتیں کرنے آئی ہو بیٹی گل سمن؟"

"آپ کے خاندان کی میں ہونے والی عزت ہوں ابا جان۔" گل سمن نے کہا۔ "آپ کے خاندان کی بھلائی کے لئے مجھے اگر زہر آلودہ سچ بھی بولنا پڑے گا تو میں بولوں گی۔ میرے نزدیک بزرگوں سے غلطی یا قصور چھپانا' کسی گناہ سے کم نہیں۔" ہلال خان حیرت سے اپنی ہونے والی بہو کو دیکھتا رہا۔ گل سمن اب کہہ رہی تھی۔ "ابا جان! میں آپ کو اکیلے میں اس پیڑ کے نیچے چل کر سب کچھ بتاؤں گی۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔ دامن کے دھبوں کو بزرگ اپنے تجربوں سے دھو کر مٹا سکتے ہیں۔ انہیں اتنا تجربہ ہوتا ہے کہ داغ بھی دامن سے مٹ جائے اور دامن بھی سلامت رہے۔"

ہلال خان تصویر بنا ہوا اس کے پیچھے ہو لیا۔ گل سمن نے نور خان کے بارے میں اس سے کچھ نہیں چھپایا۔ مہ جبیں سے پہلی دست درازی' شہباز خان کا آ کر مہ جبیں کو

بچانا' کیپٹن جیمس کی بیٹی کا اغوا اور زرِ فدیہ کا شہباز خان کے قبول نہ کرنے پر بھی اپنے پاس سے دو ہزار روپے سردار ہلال خان کو دینا۔ گل سمن نے سبھی کچھ بتا دیا۔

"ابا جان!" آخر میں گل سمن نظریں نیچی کر کے بولی۔ "میرے گناہ کی سزا دینا مجھے کبھی نہ بھولیے گا۔"

"تمہارا گناہ؟" سردار ہلال نے حیرت سے کہا۔ "تم نے کیا گناہ کیا ہے بیٹی! یہ سارے گناہ تو میرے بیٹے کے ہیں۔"

"مجھ سے بھی ایک گناہ ہوا ہے۔" گل سمن کی نظریں ابھی تک جھکی ہوئی تھیں۔ "اسے آپ گناہ کہہ لیں یا.......... یا یہ کہ میں نے وقت سے پہلے اپنا حق حاصل کر لیا۔ مہ جبیں کی آبرو پامال ہونے سے بچانے کے بعد اپنے بھٹکے ہوئے خاوند .... یا منگیتر سے اپنے حق کو میں نے دھوکے سے حاصل کیا۔ نکاح سے پہلے ہی میں اپنے قبیلے کے چراغ کی روشنی کو اپنے اندر محفوظ کر چکی ہوں۔ یہ چلن کے خلاف میری محبت کی بغاوت کے سوا اور کچھ نہیں ہے ابا جان! مگر میں مجبور تھی اور ایک عورت ہونے کے ناطے اب بھی مجبور ہوں۔ میں اپنی محبت کی توہین برداشت نہیں کر سکی۔ مجھے یہ.......... یہ گوارا نہیں ہوا کہ میرے علم میں ہو کر بھی کوئی لڑکی.......... نور خان کے پہلو میں مچل کر میرے حقوق کو مجھ سے چھین لے۔"

سردار ہلال خان کی آنکھوں میں خون کے آنسو اتر آئے۔ اس نے گل سمن سے کہا۔ "اب تم گھر جاؤ بیٹی! میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے میرے گھر میں چھائے ہوئے اندھیرے سے مجھے آگاہ کر دیا۔ مجھے یقین ہے بیٹی کہ تم میرے خاندان کے صحن میں پاک چاندنی پھیلا کر اندھیروں پر غالب ہوتی رہو گی۔ میں تمہیں اب بھی اپنے خاندان کی عزت سمجھتا ہوں اور اپنی بہو قبول کرتا ہوں۔ نور خان نے میرے قبیلے کے نام پر جو کالک پوتی ہے اس کی قیمت میں خود اس سے وصول کروں گا.......... ! جاؤ بیٹی! اپنی ماں کو بتا دینا کہ کل سے تم اس حویلی میں رہو گی۔"

گل سمن نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے ہلال خان کو دیکھا اور بولی۔ "ابا جان! جانے سے پہلے.......... میں ایک بھیک مانگنا چاہتی ہوں۔"

"کیسی بھیک گل سمن بیٹی؟"

"اپنے سہاگ کی بھیک.......... نور خان کی زندگی کی بھیک"

"یہ بھیک تم ہر روز نماز ادا کرتے ہوئے اپنے خدا سے مانگنا میری بچی!" ہلال خان نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یہ بھی دعا کرتی رہنا کہ میں قبیلے کے ایک سردار کا فرض ادا کر سکوں اور ایک بیٹے کے باپ کا بھی!" یہ کہتے ہوئے ہلال خان کسی امنڈے ہوئے طوفان کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔

سردار ہلال خان نے اسی وقت اپنے صلاح کار کو بلوا لیا اور پھر آن کی آن میں پچاس سوار جمع ہو گئے۔ پیٹھ پر بندوق لٹکائے ہلال خان نے ایک ہزار روپے کی تھیلی سنبھالی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر چل دیا۔ گل سمن کے ہونٹوں پر حرفِ دعا مچل رہا تھا۔

ہلال خان سیدھا یوسف زئی قبیلے کی حد پر پہنچا اور صرف ایک ساتھی کے ہمراہ سردار گلاب خان کے در پہ جا کے رکا۔ گلاب خان نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ ہلال خان نے گفتگو شروع کی۔ "گلاب خان! ہم تمہارے بیٹے سے ایک سودا کرنے آئے ہیں۔"

"کمال ہے ہلال خان!" گلاب خان ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ "باپ سے بات نہیں کر رہے اور بیٹے کو ہم پر ترجیح دے رہے ہو!"

اندر خبر کر دی گئی کہ کھانے کا انتظام کیا جائے اور شربت بھی بھجوایا جائے۔

گلفام آ گیا اور اس نے ہلال خان کو سلام کیا۔ ہلال خان اس سے بولا۔ "بیٹے! ہم تم سے ایک سودا کرنے آئے ہیں مگر باتیں تمہارے ابا سے الگ ہوں گی۔"

گلاب خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "لو یار! میں خود ہی یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"

گلفام کو ہلال خان پیڑ کے نیچے لے جا کر بولا۔ "بیٹے! میں بڑی ہمت کر کے تمہیں اپنی شکل دکھا رہا ہوں۔ مجھے سب کچھ گل سمن' میری بہو نے بتا دیا ہے۔ میرے بیٹے نور خان نے میرے بزرگوں کی لاش سے ان کا کفن اتار کر کوڑیوں کے مول بیچ دیا ہے۔ میں اس پر بہت شرمندہ ہوں۔ نور خان کو بگاڑنے میں خیر قدرت کا ہاتھ تو تھا ہی مگر اس نصیر خان نے رہی سہی کسر بھی نہیں چھوڑی۔ میں ایک ہزار روپے لے کر آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم زرِ فدیہ قبول کر کے نصیر خان کو میرے حوالے کر دو۔ میں اس کے خون سے اپنے قبیلے کے پاک دامن پر لگے ہوئے داغوں کو دھوؤں گا۔"

سنجیدگی سے گلفام سب کچھ سنتا رہا' پھر اس نے طویل سانس لے کر کہا۔ "چچا جان!

مجھے یہ سودا منظور ہے۔"

"شکریہ بیٹے!" ہلال خان آہستہ سے بولا۔ "ایک اور خواہش ہے میری! میں ابھی گلاب خان سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے دو باتیں مہ جبیں بیٹی سے بھی کرنے دی جائیں۔" پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

گلاب خان نے مہ جبیں سے بات کرنے کی اجازت دے دی۔ مہ جبیں سر جھکائے آ گئی اور سلام کر کے کھڑی ہو گئی۔

ہلال خان نے اسے مخاطب کیا۔ "خدا تمہیں سدا محفوظ رکھے بیٹی! میں تمہیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ گل سمن نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ وہ ایک بہادر پٹھان اور وفادار دوست کی بیٹی ہے۔ اس کی داستان سن کر میں نے اسے اپنی بہو کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔ کل سے وہ اسی حیثیت سے میری حویلی میں آ جائے گی اور کل ہی میں اپنے بیٹے نور خان سے تمہارا بدلہ لینے کے لئے چل دوں گا۔" ہلال خان نے یہ کہتے ہوئے مہ جبیں کے چہرے کا جائزہ لیا۔

مہ جبیں کے چہرے سے رنج کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی ہلال خان نے دوبارہ اپنی بات شروع کر دی تھی۔

"بیٹی! میں ایک پٹھان ہلال خان کی حیثیت سے جا رہا ہوں' ایک ذلیل بیٹے کے باپ کی حیثیت سے نہیں! میری بندوق اسے یہ بتائے گی کہ ایک پٹھان کی بیٹی پر نظرِ بد اٹھانے کی سزا ایک پڑوسی پٹھان کیسے دیتا ہے!"

یہ سن کر مہ جبیں کانپ اٹھی۔ اس مرتبہ وہ ہلال خان کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی بول اٹھی۔ "چچا جان! میں نے نور خان بھائی کو معاف کیا۔"

"یہ تم نہیں تمہارا خاندانی خون بول رہا ہے بیٹی!" ہلال خان نے کہا۔ "تم نے اسے معاف کر دیا ہے مگر ہلال خان نے نہیں!"

گلاب خان دور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ مہ جبیں اس کے بعد چلی گئی۔ اس کے بس میں صرف یہی تھا کہ وہ نور خان کو معاف کر دیتی اور اس نے ایسا ہی کیا تھا مگر وہ ہلال خان کو نہیں روک سکتی تھی۔

ہلال خان اب گلاب خان کے پاس آ گیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"اب میں تم سے بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

گلاب خان ہنس کر کہنے لگا۔ "بھائی بلال خان! تم نے تو میرے خاندان سے باتیں ڈالیں۔ بس اب میں اور تمہاری بھابی جان ہی باقی ہیں۔"

"سنو گلاب خان! ہم دونوں میدان میں شانہ بشانہ لڑے ہیں! گولیوں کی سنسناہٹ کے درمیان ہم نے ایک ہی دستر خوان پر کھانا بھی کھایا ہے۔" بلال خان کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔ "میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' اسے غور سے سننا اور اگر برا لگے تو مجھے معاف کر دینا۔"

گلاب خان غور سے بلال خان کے چہرے کا جائزہ لینے لگا مگر بات پوری ہونے سے پہلے وہ کچھ بولا نہیں۔

"ایک شیر کی بچی دوسرے شیر کے بچے کے ساتھ ہی بھلی لگتی ہے گلاب خان!" بلال خان نے گلاب خان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ طرے خان کو لے کر تمہارے در پر اس کے بیٹے شہباز خان سرباز کے لئے بیٹی مہ جبیں کا رشتہ مانگنے آؤں۔"

گلاب خان نے اپنا ہاتھ بلال خان کی طرف بڑھا دیا۔ "مجھے یہ رشتہ منظور ہے مگر شرط یہ ہے کہ تم ضامن ٹھہرو اور طرے خان کو دستور کے مطابق یہاں لے کر آسکو کیوں کہ وہ بیٹے والا ہے۔"

بلال خان نے یہ جواب سن کر گلاب خان کو گلے سے لگا لیا۔ پھر اس نے گلفام کو ایک ہزار روپے کی تھیلی دی اور نصیر خان کو لے کر چل دیا۔ نصیر خان بندھا ہوا تھا۔

☆=====☆=====☆

عیدو کا مشورہ ہی شہباز خان کو سب سے زیادہ پسند آیا۔ سنیچر' یعنی ہفتے کی شام انگریز بڑی فراخ دلی سے مناتے تھے۔ کلب' ڈانس' شراب وہ کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے' اپنی شام کو رنگین بنانے میں! کیا افسر اور کیا سپاہی سبھی سنیچر کی شام کو تہوار کی طرح مناتے تھے۔

شہباز خان کو عیدو نے سنیچر کی شام ہی کو حملے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے بعد تمام منصوبہ بندی ہو گئی۔ طے یہ ہوا کہ جبر خان میس میں سفید وردیاں دھوبی کے یہاں سے

لائے گا۔ وردیاں آتے ہی یہ ڈراما کھیلا جائے گا کہ کوئی وردیاں چرا لے گیا۔

کورٹ گارڈ پر تقریباً دس گوروں کا پہرا رہتا تھا۔ سنیچر کی شام کو سبھی باری باری ڈیوٹی دیتے تھے۔ ڈیوٹی پر موجود گورے اکثر منہ لٹکائے رہتے تھے مگر ڈیوٹی تو انہیں بہر حال' سنیچر کی شام کو بھی دینا ہی پڑتی تھی۔

شام کو عیدو اور شمسو میس میں وردیاں پہن کر کورٹ گارڈ جاتے اور ایک کریٹ شراب کے ساتھ دھیمی آنچ پر سکے ہوئے مرغوں کا تھال لے کر گارڈ کمانڈر کو بتاتے کہ کیپٹن جیمس کی ترقی ہو گئی ہے۔ اسی خوشی میں سب کو پارٹی دی جا رہی ہے۔ اسی سلسلے میں کورٹ گارڈ کے گوروں کے لئے یہ سامان بھیجا گیا ہے۔

منصوبے کے مطابق ایسا ہی کیا گیا۔ خلاف توقع جب یہ سامان پہنچا تو سنتری چونکا مگر آفیسرز میس کی وردیوں میں ملبوس بیروں کو دیکھ کر اسے کوئی شک نہ ہوا۔ شراب کا کریٹ دیکھ کر اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور پھر گارڈ کمانڈر کو آواز دی۔ گارڈ کمانڈر کارپورل اسٹریچی تھا جو شراب کا رسیا تھا۔ اس نے آنے والے بیرے سے سب ماجرا سنا اور اپنی داڑھی کھجا کر بولا۔ "ڈیوٹی کے دوران ہم شراب نہیں پی سکتے۔ سامان تو خیر لے لو مگر پینا پلانا کل ہی ہو گا۔"

نقلی بیرے سامان رکھ کر چلے گئے۔ انہوں نے جاتے جاتے اور گوروں کو بھی اسی جگہ جمع ہوتے دیکھا۔ کسی نے شراب کی ایک بوتل اٹھا کر دیکھی تو وہ برف سے بھی زیادہ ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ ساری بوتلیں صبح ہی سے برف میں دبی پڑی تھیں۔ پھر بوتلوں کا وہی حشر ہوا جو بھوکی چیلوں کے گھونسلے میں گوشت کا ہوتا ہے۔ ہوتے ہوتے کچھ گورے کارپورل کے پاس جا کر اسے بھی ترغیب دینے لگے۔

"ایسا کرتے ہیں کہ جو اس وقت ڈیوٹی پر نہیں ہیں' وہ تھوڑی پی لیں گے۔" گارڈ کمانڈر کو تجویز پیش کی گئی اور پھر یہ بہانہ بنایا گیا۔ "ورنہ یہ بوتلیں گرم ہو جائیں گی کارپورل! ذرا سوچو تو چارلس ہیڈ سک کی شیمپئن ہے اور گرما گرم چکن! یہاں کون سا حملہ ہونے والا ہے!"

سب بھوکے گدھوں نے ایک دوسرے کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کی۔ کارپورل کی رال بھی ٹپکنا شروع ہو گئی تھی۔ پہلے تو ایک ایک کر کے بوتلیں کھلیں اور پھر جیسے جیسے

سرور چھانے لگا' اکٹھی کھلنے لگیں۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد گورے لڑکھڑا کر پہرا دینے لگے اور دوسرے کمرے میں بے سُر تال گاتے لگے۔

شہباز خان نے موقع پاتے ہی دھاوا بول دیا۔ وہ لوگ خاموشی کے ساتھ بلی کے مانند دبے قدموں جھپٹے اور انھوں نے ہر ایک کو بہ آسانی دبوچ لیا۔

نئی مشین گنیں اور نئی رائفلیں دیکھ کر شمسو کا جی للچانے لگا۔

"نہیں شمسو بھائی!" شہباز خان نے کہا۔ "ہم صرف نور خان کو لینے آئے ہیں۔ اگر ہم ہتھیار بھی اپنے ساتھ لے گئے تو کیپٹن جیمس کی بے عزتی ہو جائے گی۔" سب نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ پھر نور خان کو باہر نکال لیا گیا۔ شہباز خان پر نظر پڑتے ہی نور خان کے ہوش اڑ گئے۔

"ڈرو مت!" شہباز خان ہنسا۔ "ہم انگریزوں کے مقابلے میں تم پر کم سختی برتیں گے۔"

کسی اور چیز کو چھوئے بغیر سبھی وہاں سے چل دیے۔ چلتے وقت شہباز نے ایک خط کیپٹن جیمس کے نام چھوڑ دیا تھا۔ وہ خط سنتری کی رائفل سے باندھ دیا گیا تھا۔ نور خان کو ساتھ لے کر وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے قبیلے کی طرف روانہ ہو گئے۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد جبر خان نے منصوبے کے مطابق کلب میں کیپٹن جیمس کو فون کر دیا۔

کیپٹن جیمس محفل رقص کو چھوڑ کر فوراً بھاگا۔ کورٹ گارڈ آ کر اس نے دیکھا کہ وہاں موجود تقریباً سبھی گورے نشے میں اوندھے پڑے تھے۔ جیمس سکتے میں آ گیا۔ فوراً ہی اس کی نظر سنتری کی رائفل سے بندھے ہوئے خط پر پڑی۔ اس نے جلدی سے خط کھول لیا۔

خط میں لکھا تھا۔ "کیپٹن جیمس صاحب بہادر! سلام۔ نور خان کو سزا دینا بہت ضروری تھا اس لیے اسے لے جا رہا ہوں۔ یقین مانئے آپ کی بیٹی کا بدلہ میں پورا پورا لوں گا۔ اس کے لئے بھی مجھے نور خان سے نمٹنا ہے۔ میں اسی سبب کورٹ گارڈ سے نور خان کو نکالنے پر مجبور ہو گیا۔ یقین کریں صاحب' سوائے نور خان کے میں نے کسی چیز کو چھوا تک نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو اس کی تصدیق کر لیں۔ میم صاحبہ کو میرا سلام کہئے گا۔

مسی بابا کو میری طرف سے پیار کیجئے گا۔ آپ کا دوست' آپ کا دشمن۔ شہباز خان سرباز۔"

جیمس نے یہ خط پڑھ کر گہرا سانس لیا اور پھر بڑبڑانے لگا۔ "تم یقیناً بہادر ہو شہباز سرباز!"

☆=====☆======☆

طور خامہ کے قریب شہباز خان اپنے دوست لالہ خان کے یہاں رک گیا۔ نور خان کو وہ یہیں رکھنا چاہتا تھا۔ نور خان اس وقت ادھ مرا سا ہو کر رہ گیا تھا۔ داروغہ کے بیدوں سے پڑی نیلی دھاریاں اس کی پشت پر اب بھی موجود تھیں اور تکلیف دے رہی تھیں۔ اس کے سر پر بھی گہری چوٹ لگی تھی۔ سر پر جوتے پڑتے وقت اس کی نعل اور اکا دکا باہر نکلی ہوئی کیلوں نے کئی جگہ زخم کر دیے تھے۔

نور خان کو جب ایک کمرے میں دھکیلا گیا تو وہ خوف زدہ نظروں سے بے بسی کے عالم میں شہباز خان کو دیکھنے لگا۔ اس نے قید کے دوران میں جس طرح نشے میں چُور شہباز خان کو زدو کوب کیا تھا اور ظلم و ستم توڑا تھا' اسے نور خان بھولا نہیں تھا۔ اسی لیے اسے شہباز خان سے کسی رحم کی توقع بھی نہیں تھی۔ فرش پر گرتے ہی وہ لرز اٹھا کہ شہباز خان اب اس کی دھنائی کرے گا۔

"ڈرو مت نور خان!" شہباز خان اس کے قریب آ کر بولا۔ "میں ایک زخمی دشمن پر اپنی بہادری جتانا نہیں چاہتا۔ قابو میں آئے ہوئے دشمن کو تو ایک عورت بھی پیٹ سکتی ہے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں' شہباز خان تم سے لڑے گا اور وہ حق کی لڑائی ہو گی۔ سنا ہے کہ تم تلوار بہت اچھی چلانے لگے ہو اسی لیے میرا تمہارا مقابلہ تلوار ہی سے ہو گا نور خان! مگر ابھی نہیں۔ پہلے تمہارے سارے زخم بھر جائیں۔ اس کے بعد تم کچھ دن کھا پی لو تاکہ تمہارے جسم میں جان آ جائے۔ پھر ہم کابل ندی کے مغربی کنارے پر دو دو ہاتھ کریں گے۔ صرف ایک گواہ رہے گا' وہ بھی میں نے ایسا آدمی منتخب کیا ہے جو تمہارا پرانا نمک حلال دوست ہے اور میرا قدر شناس' یعنی عیدو! ٹھیک ہے نا نور خان؟"

نور خان اسے سانپ کی سی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"اس کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال اچھی طرح ہونا چاہئے لالے!" شہباز نے اپنے

دوست کو ہدایت کی۔ "اسے عمدہ کھانا دینا جس سے اس کے جسم میں پھر سے جان آ جائے۔ اور ہاں اس پر کڑی نظر رکھنا تاکہ یہ بھاگنے نہ پائے۔"

پھر شہباز خان چلا گیا۔ نور خان زہر کے گھونٹ پی کر نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا! ویسے اسے کیپٹن جیمس کی ننھی سی بیٹی ڈیفنی کی معافی بار بار یاد آ رہی تھی جو اس کے دل میں کسی کانٹے کی طرح چبھ رہی تھی۔

لالہ خان نے نور خان کی نگرانی' دیکھ بھال اور خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ پانچویں روز ہی نور خان بھلا چنگا ہو گیا۔ اسے من چاہی غذا کھانے کو دی گئی۔ اس کی بانہوں کی مچھلیاں بار بار پھڑک اٹھتیں۔ اپنے دشمن شہباز خان کی دعوت اسے یاد تھی۔ اس نے لالہ خان سے تلوار طلب کی جو اسے دے دی گئی۔ نور خان ہر روز تلوار کے ہاتھ بھی رواں کرتا رہا کیوں کہ اسے شہباز خان سے مقابلہ کرنا تھا۔ شہباز کا خیال آتے ہی اس کے دل سے نفرت کا طوفان امنڈنے لگا اور پھر اس کی آنکھوں میں مہ جبیں کا چاند سا چہرہ گھومنے لگتا۔ دونوں بار مہ جبیں اس کی زینت کی آغوش بنتے بنتے رہ گئی تھی۔ نور خان کو ابھی تک اس کا افسوس تھا۔ اس قدر ذلیل و خوار ہونے کے باوجود بدی اس کے دل سے نہیں نکلی تھی۔ حسرت گناہ ابھی باقی تھی۔

عیدو کو جب علم ہوا کہ شہباز کا ارادہ کیا ہے تو اس نے اسے پسند کیا' سراہا۔ اس نے ایک بار کسی سے کہا بھی تھا۔ "شہباز ایک شیر دل انسان ہے۔ وہ انصاف پسند ہے' سچا ہے اور ایک سچا انسان ہمیشہ کامیاب و کامران ہوتا ہے۔"

شام کو عیدو کے علم میں یہ بات بھی آئی کہ نور خان کا باپ سردار ہلال خان اپنے بیٹے کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھوم رہا ہے۔ عیدو نے اپنے ایک ساتھی کے ذریعے ہلال خان کو صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

ہلال خان نے جب یہ سنا تو بڑے فخر سے بولا۔ اُرک زئی کے اوپر اللہ کی مہربانی چھائی ہوئی ہے شاید۔ طرے خان کا بیٹا بہادر ہونے کے علاوہ نیک طینت بھی ہے۔ حق کی لڑائی دیکھنے میں بڑا مزہ آئے گا۔ میں نور خان اور شہباز کی لڑائی اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا۔"

ساتویں دن دریائے کابل کے پار وہ معرکہ ہونا تھا۔ قدرت نے وہاں گویا مخمل کا

قالین بچھا رکھا تھا۔ آس پاس فقط پہاڑیاں ہی چشم دید گواہ بنی وہ مقابلہ دیکھنے والی تھیں۔ عیدو مقررہ دن اور مقررہ وقت پر وہاں پہنچ گیا جو ثالث بنا ہوا تھا۔

سب نے اپنے اپنے گھوڑے ایک طرف باندھ دیئے۔ عیدو نے دونوں کی تلواروں کا جائزہ لیا۔ اسی کے ساتھ اس نے دونوں کو ٹٹول ٹٹول کر یہ بھی اطمینان کر لیا کہ کسی نے کوئی اور ہتھیار تو اپنے پاس نہیں چھپا رکھا ہے۔ چمکتی ہوئی تلواروں پر دھار ایسے لگ رہی تھی جیسے بل کھاتے ہوئے دریا کے پانی پر دوپہر کی دھوپ پڑ رہی ہو۔

"نور خان!" شہباز زور سے بولا۔ "مہ جبیں کی طرف جو تم نے اپنا دست ہوس بڑھانے کی جسارت کی تھی' اس کا بدلہ میں شہباز خان اُرک زئی تم سے لوں گا' سنبھل جاؤ!"

پھر تلواروں کی جھنکار سے گھاٹی گونج اٹھی۔

ہر دو افراد فقط تلوار کی ہی لڑائی نہیں لڑ رہے تھے بلکہ دو مجروح جذبات کا معرکہ بھی تھا۔ حق اور ناحق کا امتحان بھی تھا۔ سنتے آئے ہیں کہ ایک حق پرست کی تلوار میں خدا کی مدد سما جاتی ہے اور شاید یہی ہو بھی رہا تھا۔ نور خان پر شہباز ابتدا ہی سے حاوی نظر آ رہا تھا۔ اس نے تین بار نور خان کی کلائی اور سینے پر چرکا لگایا تھا۔ نور خان اب ہانپنے لگا تھا لیکن اس کی روح کی سیاہی اور آلودگی ہی اسے لڑائی جاری رکھنے پر مجبور کر رہی تھی۔ دونوں باز کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹتے اور پھر الگ ہو جاتے۔

شہباز کے ہونٹوں پر غضب ناک مسکراہٹ بہت بھلی لگ رہی تھی۔ وہ شاید نور خان کو کھلا کھلا کر مارنا چاہتا تھا۔ ادھر نور خان کی صورت پر شیطان کا سایہ پڑا ہوا تھا۔ وہ دانت پیس پیس کر جی جان سے لڑ رہا تھا۔ معاً شہباز کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ جیسے تھکے ہوئے ہاتھی پر شیر غالب آنے لگتا ہے ویسے ہی شہباز اپنے حریف کو پیچھے دھکیلنے لگا۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر ایسا وار کیا کہ نور خان کے کندھے سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ پھر اس نے بھرپور طاقت سے نور خان کی تلوار پر ضرب لگائی۔ نور خان کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر دور جا گری۔ شہباز نے جھپٹ کر ایک زوردار لات نور خان کے پیٹ پر ماری جس سے وہ کراہ کر گر پڑا۔ شہباز بڑے سکون سے آگے بڑھا اور اپنی تلوار کی نوک نور خان کی شہ رگ پر رکھ دی۔

"نور خان! اب بولو!" شہباز نے اپنے حریف کو مخاطب کیا۔

نور خان گھبرا گیا۔ وہ بڑے زور سے ہانپ رہا تھا۔ پسینے اور خون میں لت پت اس کا چہرہ اور بھی بھیانک لگ رہا تھا۔ عیدو دم بخود ہو کر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

"عیدو!" شہباز چلایا۔ "تم گواہ ہو' اس بات کو یاد رکھنا اور کسی سے کہنا مت! میں نور خان مہمند کو زندگی کی خیرات دیتا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ میرے اندر رحم کا جذبہ جوش مار رہا ہے بلکہ گل سمن کا احسان میری مہ جبیں کے اوپر چھایا ہوا ہے۔ مہ جبیں کا اشارہ میرے لئے ایک مقدس فرمان سے کم نہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ نور خان کے والد سردار ہلال خان ایک مانے ہوئے جری پٹھان اور میرے والد کے دوست ہیں۔"

شہباز اس طرف بڑھا جہاں نور خان کی تلوار پڑی ہوئی تھی۔ اس نے تلوار اٹھالی۔

"عیدو!" شہباز پھر بولا۔ "یہ بہادر مہمند قبیلے کی تلوار اس گنہ گار کے ہاتھ میں رہنے پر احتجاج کرنے لگی ہے۔ اسے سردار ہلال خان کو دے دینا تاکہ اسے وہ اپنے قبیلے کے مضبوط ہاتھوں میں دے سکیں۔"

پھر شہباز نے اپنی تلوار نیام میں رکھ لی اور مڑ کر چل دیا۔ اچانک نور خان ایک جھٹکے سے اٹھا اور اپنے گھوڑے کے قریب بھاگ کر آیا۔ گھوڑے کی زین سے اس نے ۴۵ بور کا بھاری ریوالور تیزی کے ساتھ نکالا اور شہباز کی پشت کا نشانہ لیا۔

عین اسی لمحے دھماکا ہوا۔ شہباز نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ نور خان کی کلائی ٹوٹ گئی تھی شاید۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ اوپر پہاڑی پر رائفل لیے سردار ہلال خان کھڑا تھا' نور خان کا باپ سردار ہلال خان۔

"نورا! تو نے مہمندوں کی آبرو کو روند ڈالا ذلیل! اس اُرک زئی کے اس لڑکے کی بہادری اور نیک نیتی میں تسلیم کرتا ہوں۔" سردار ہلال خان کی بلند آواز گونج رہی تھی۔ "ایک بہادر کی پشت کا نشانہ باندھ کر تو شرم سے مر کیوں نہیں گیا مگر میں تیری یہ حرکت دیکھ کر شرم سے جیتے جی مر گیا اے بد بخت! کیا تو بھول گیا کہ مہمندوں نے ہمیشہ سینوں کا نشانہ لیا ہے۔ غافل دشمن تک کی پشت کا نشانہ باندھنے سے پہلے ایک غیرت مند مہمند خودکشی کرنا زیادہ بہتر سمجھتا ہے۔ افسوس کہ تو نے مہمندوں کی عزت کو خاک میں ملا دیا!"

پھر ہلال خان تیز قدمی سے آگے بڑھ کر نور خان کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے جیب سے

قرآن شریف نکالتے ہوئے نور خان کو سنبھال کر کہا۔ "قرآن شریف کی مقدس آیات پڑھ لے نورا! مرنے سے پہلے اس سے بڑھ کر انسان کو کوئی اور سکون نہیں پہنچا سکتا۔" پھر اس نے اپنی رائفل کی نال نور خان کے سینے کی طرف اٹھائی۔

شہباز تیزی سے بھاگتا ہوا آیا اور نور خان کے لئے خود کو سپر بنا دیا۔ وہ رائفل اور نور خان کے درمیان آگیا تھا۔

"نہیں چچا جان!" شہباز نے کہا۔ "آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ ایسا کرنے سے باپ کی محبت بدنام ہو جائے گی' قدرت کا نظام تڑپ اٹھے گا۔ نور خان آپ کا چشم و چراغ ہے۔ آپ کے خاندان کی امیدیں اس سے وابستہ ہیں۔ اس کی رگوں میں آپ کا خون دوڑ رہا ہے چچا جان! اس چراغ میں آپ کا عطا کردہ تیل جل رہا ہے۔ آپ اپنا چراغ اپنے ہی ہاتھوں گل نہیں کر سکتے!"

"ہٹ جاؤ' درمیان سے شہباز خان!" ہلال خان بولا۔ "تم نے زندگی عطا کرنے والے باپ کا غضب ابھی نہیں دیکھا ہے۔ صوبیدار دارا خان کا نام سنا ہے؟ اس نے اپنی رائفل سے اپنے بیٹے کو سر میدان مارا تھا۔"

"نام سنا ہے چچا جان۔" شہباز نے جواب دیا۔ "اور یہ بھی سنا ہے کہ بیٹے کو مارنے والا وہی باپ بعد میں خود اپنے آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوب گیا۔ اسی باپ نے اپنی رائفل' میڈل اور تلوار اپنے بیٹے کی قبر پر چڑھا دیئے اور ہمیشہ کے لئے اللہ کے در پر معافی کی حسرت میں آج بھی نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہا ہے۔"

ہلال خان کی رائفل کی نال جھک گئی۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم کیا چاہتے ہو بیٹے؟"

"میں جب دشمن ہو کر نور خان کو معاف کرنے کا حوصلہ رکھتا ہوں تو آپ کا اسے معاف کر دینا بھی رحم کے مترادف ہو گا۔" شہباز کہنے لگا۔ "انسان کے اندر خیر و شر دونوں ہی بستے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ نورا بھائی کے اندر موجود شر ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا اور پھر خدا کا نور ان کے ضمیر کو روشن کر دے گا۔ چچا جان! نور خان' گل سمن بہن کی ضرورت ہے۔"

ہلال خان کو آخر شہباز خان کی بات ماننا ہی پڑی۔ نور خان کی آنکھوں میں آنسو

تیرنے لگے۔

☆=====☆======☆

کیپٹن جیمس کورٹ گارڈ سے سیدھا اپنے کرنل کے پاس پہنچا۔ کرنل سلیٹر نے توجہ سے پورا واقعہ سنا اور بولا۔ "آج کل پشاور میں چیف کمشنر کی کانفرنس بھی ہے جیمس! یہ واقعہ وہاں بھی سنانا ضروری ہے۔ کارپورل اسٹریچی اور ان تمام سنتریوں کو آج ہی چارج شیٹ دینا ہوگی۔"

جیمس نے سرہلا کر اثبات میں جواب دیا۔

دوسرے دن ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کے ہال میں کانفرنس تھی۔ کرنل سر ہیراللہ ڈین نے سب سے پہلے پورے واقعات کی رپورٹ پڑھی۔ سرحدی قبائل کے حملے دن دونے اور رات چوگنے ہو رہے تھے۔ رپورٹ کے مطابق حال ہی میں خیبر کی چوکیوں پر حملوں میں اضافہ ہوگیا تھا۔ بتیس سرکاری عہدیداروں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ انیس افسر زخمی تھے اور سینتیس کو اغوا کیا گیا تھا جو تاوان ادا کرنے ہی پر چھوڑے گئے تھے۔ بازار گھاٹی کے ذکا خیلوں نے بڑے بڑے گروہ بنا کر لوٹ مار شروع کر دی تھی۔ ان کے حملوں میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ ان حملوں کی روک تھام کے لئے نوجوان لیفٹیننٹ ویول (جو بعد میں ہندوستان کا کمانڈر انچیف اور وائسرائے بنا) کو مقرر کیا گیا۔ ادھر یہ خبر بھی گرم تھی کہ روسی جاسوس اور افسر شمالی حصے میں مداخلت کر رہے ہیں۔

ہیراللہ ڈین نے کہا۔ "ابھی حال ہی میں ایک اور قابل شرم واقعہ ہوا ہے۔ اس سلسلے میں شہباز خان کا نام سنا جا رہا ہے جو سرباز کے لقب سے مشہور ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ نوجوان بہادر ہے۔ باقی قبائل کے حریفوں کے مقابلے میں یہ شخص مختلف ہے جو بچوں اور عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا۔ اس کی سرگرمیاں اگر جاری رہیں تو ہو سکتا ہے کہ فرنٹیئر کا "رابن ہڈ" بن جائے اور ہماری انتظامیہ پر غالب آ جائے۔ اس کے سر پر پہلے جو انعام رکھا گیا تھا' میں اسے بڑھا کر پندرہ ہزار کرتا ہوں۔"

میجر کاکرن نے جیمس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرایا۔

چیف کمشنر نے ایک اور اہم بات بتائی۔ پشاور میں کرنل جان نکلسن کو پٹھانوں کی ایک پلٹن مرتب کرنے کا منصوبہ دیا گیا ہے۔ ہزارہ کے مسلمان کسانوں کو ہتھیاروں سے

لیس کرنا اور ہتھیاروں کو استعمال کرنا' نکلسن ہی نے سکھایا تھا۔ وہ ایک حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا تھا۔

یہ مشورہ سن کر کرنل سلیٹر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ شہباز خان سرباز اپنے طاقتور ساتھیوں کو لے کر نکلسن کی "پٹھان کور" میں آ جائے تو ہمارے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ بے شک چیف کمشنر صاحب کو شہباز خان اور اس کے گروہ کے لئے "کنگز پارڈن" لینا ہوگی۔"

سر ہیراللہ ڈین نے اس رائے پر غور کیا اور کہا۔ "یہ کام تبھی شروع کیا جا سکتا ہے جب یہ بات پکی ہو جائے کہ سرحدی پٹھانوں کا یہ جتھا ہماری "پٹھان کور" میں شامل ہونے پر آمادہ ہو گیا ہے۔"

اس موقع پر میجر کاکرن اٹھ کھڑا ہوا۔ "سر! میں نے شہباز خان سرباز اور اس کے قبیلوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ بلاشبہ یہ لوگ بہادر ہیں۔ انہیں کسی حد تک محب وطن بھی کہا جا سکتا ہے۔ میدان جنگ میں اڑتی ہوئی دھول اور سنسناتی ہوئی گولیوں سے انہیں رغبت ہو گئی ہے۔ ہم کس طرح یہ امید کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے ماتحت رہ کر نظم و ضبط کی زنجیریں خوشی سے پہن لیں گے؟ یہ ایک عجیب مسئلہ ہے جس کا حل نکلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر اجازت دی جائے تو شہباز خان سرباز کے پاس جا کر میں یہ تجویز پیش کر سکتا ہوں۔"

ہیراللہ ڈین مسکرا کر بولا۔ "ٹھیک ہے کاکرن! میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں۔ تم اس پٹھان کے مہمان بھی رہ چکے ہو۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم نے پٹھانوں کے کردار کا جواب انگریزی روایات کے مطابق دیا۔ بے شک' میں اور آپ سب لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ بہادری اور دریا دلی کی ہم ہمیشہ قدر کریں گے' بھلے ہی وہ لوگ بہادر دشمن ہی کیوں نہ ہوں! اس سلسلے میں ایک اور بات مدنظر رہے کاکرن! اگر سردار ہماری پشاور کی فوج میں شامل ہونے سے کترائے تو تم میری طرف سے خاصے داری کے سمجھوتے کی بات بھی کر سکتے ہو۔ وائسرائے اور گورنر جنرل نے خاصے داروں کے لئے قانون قاعدے اب بہت اچھے کر دئے ہیں۔ ہمارا مقصد ان سرحدی پٹھانوں کی سرگرمیوں کو دبانا ہے۔ چاہے وہ طاقت کے ذریعے ہو یا دوستی کا ہاتھ بڑھا کر! سرحدی انتظام کے لئے ہم جو

اخراجات کر رہے ہیں' اگر اس سے آدھے اخراجات پر ہم انہیں اپنا خاصے دار بنا سکیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہمیں ان سرحدی پٹھانوں کی طرف سے ہر حال میں بے فکر ہونا ہے تاکہ اندرون ملک ہم اپنے منصوبوں پر عمل کر سکیں۔"

اس کے بعد کانفرنس ختم ہو گئی اور چائے کا دور شروع ہوا۔ موقع پا کر کرنل سلیٹر نے سہمی ہوئی آواز میں نور خان والا واقعہ بیان کر دیا۔

"کرنل سلیٹر!" سر ہیر اللہ ڈین بولا۔ "مجھے ایک اور ذریعے سے اس واقعے کا علم ہو چکا ہے اور میں نے اپنی تقریر میں اسی کو قابل شرم کہا تھا۔ سنو! اس واقعے کو دبا دیا جائے۔ اس سے ہماری بڑی بدنامی ہو گی۔ پوری گارڈ کو سزا دی جائے! مگر جرم کوئی اور دکھایا جائے۔ جو کچھ بھی ہے' شہباز خان سرباز ایک دریا دل انسان ہے۔ اگر وہ تمہاری مشین گنیں اور رائفلیں بھی چھین لے جاتا تو میں گورنر جنرل کو اپنا منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔"

کرنل سلیٹر اور کیپٹن جیمس کی گردنیں شرم سے جھک گئیں۔

"جیسے بھی ہو اس شہباز خان سرباز کو اپنا بنانا ہو گا۔ اگر وہ دوست بننے سے گریز کرے تو بھی ایسی چال چلنا ہو گی کہ وہ دوست نہ بن سکے تو ہمارا دشمن بھی نہ رہے۔ میجر کاکرن کو میرے دفتر میں بھیج دو۔ میں اسے بریف کروں گا سلیٹر! وہ بہت ضروری کام سے جا رہا ہے۔ سوچو' ہماری چھاؤنی میں گھس کر وہ بہادر نوجوان ہماری ٹوپی اتار لے گیا! کاش میں شہباز خان سے مل سکتا تو اس کی پیٹھ ٹھوک کر کہتا کہ بلاشبہ تم ایک بہادر نوجوان ہو۔"

سر ہیر اللہ ڈین نے اپنے آفس میں گھنٹے بھر تک میجر کاکرن کو بریف کیا۔

دوسرے ہی روز میجر کاکرن' ایک اسکواڈرن اور چار پہاڑی توپوں کے ساتھ درے کی طرف چل پڑا۔ اس کے آگے ایک گھڑ سوار سفید جھنڈا لہراتا ہوا چل رہا تھا۔ اس کے ساتھ جو فوجی تھے انہیں بھی خصوصی ہدایات دی گئی تھیں۔

شہباز خان کو یہ خبر ملی تو فوراً ہی اپنے ساتھیوں کو لے کر درے کی طرف روانہ ہو گیا۔ درے کے دہانے کے قریب وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر بلندی پر کھڑا ہو گیا۔ میجر کاکرن نے یہ دیکھ کر بگلچی کو بگل بجانے کا حکم دیا۔ کاکرن کے سوار رک گئے۔ سفید جھنڈا

لیے ہوئے سوار کے ساتھ اکیلا میجر کاکرن آگے بڑھا۔ قریب پہنچنے پر شہباز خان نے اسے پہچان لیا۔ وہ بھی اپنے ایک ساتھی کو لے کر آگے بڑھا۔

میجر کاکرن اور شہباز خان پچاس گز کی دوری پر اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ کاکرن نے مسکرا کر ہاتھ اٹھایا۔ شہباز خان نے بھی جواباً ایسا ہی کیا۔

"شہباز خان سرباز!" میجر کاکرن قریب آ کر شہباز خان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہنے لگا۔ "مجھے پشاور کے چیف کمشنر سر ہیر اللہ ڈین نے بھیجا ہے۔ ہمارے کورٹ گارڈ سے نور خان کو نکال کر لے جانا بڑی جرأت کا کام تھا اور ہمارے ہتھیاروں کو نہ چھیننا بڑی شرافت تھی۔ چیف کمشنر کے علاوہ ہماری قوم کے سبھی لوگوں نے تمہارے اس نیک اشارے کی کھلے دل سے تعریف کی ہے۔"

شہباز خان نے مسکرا کر کہا۔ "صاحب! کورٹ گارڈ کپتان جیمس صاحب کا تھا۔ انہیں میں اپنا دوست مان چکا ہوں۔ ہم کیسے بھی سہی مگر دوست کی عزت پر ہرگز آنچ نہیں آنے دیتے۔ ہاں میدان جنگ میں جب موت اپنا نغمہ چھیڑتی ہے' تب ہم اس دوست میں ایک دشمن کی تصویر دیکھتے ہیں اور پھر اسے مارنے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔"

میجر کاکرن نے سر ہلایا۔ "ہم تمہاری بہادری کے قدردان ہیں شہباز خان سرباز! ہم چاہتے ہیں کہ کسی بھی طرح ہم تمہیں اپنا دوست بنا لیں۔ عنقریب پشاور میں بہادر پٹھانوں کی ایک بڑی پلٹن مرتب کی جا رہی ہے۔ اس میں تم جیسے سرباز اپنے ساتھیوں سمیت شامل ہو جائیں تو اسے ہم اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے۔"

"سنو میجر! جس شیر کو جنگل کی آزاد فضاؤں کی چاٹ لگ جاتی ہے' وہ سونے کے پنجرے کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔" شہباز خان نے میجر کاکرن کی پیش کش کا جواب دیا۔ "ہم لوگ آزاد زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے ہیں میجر صاحب! نوکری شاید ہم سے نہیں ہو پائے گی۔ ہاں آپ کی دوستی کا بڑھا ہوا ہاتھ دیکھ کر ہم سوچیں گے کہ کس طرح آپ کے بن سکیں گے! لیکن اس کے لئے ہمیں اپنے قبیلوں کے بزرگوں سے اجازت لینا پڑے گی۔ در حقیقت وہ لوگ ہی سردار ہیں۔ ہم تو ان کے احکام کی پابندی کرنے والے ہیں۔ ملک کی عزت اور قوم کی آبرو کے فیصلے وہی کریں گے۔"

میجر کاکرن بولا۔ "شہباز خان! اگر ہماری قسمت میں تمہیں اور تمہارے بہادروں کو خاکی وردیوں میں دیکھنا نہیں لکھا ہے تو کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ جب بھی آمنا سامنا ہو' ہم دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آسکے اور بندوقوں کی نالیں جھک جایا کریں۔ چیف کمشنر صاحب تمہیں خاصے دار کا خطاب اور ایک بندھی ہوئی رقم سرکاری خزانے سے دینے پر رضامند ہیں۔ جن قبیلوں کی تم سفارش کرو گے' ان ان کو ہر ماہ معقول رقم خزانے سے مل جایا کرے گی۔"

"اور اس اعزاز کے بدلے میں ہمیں کیا کرنا ہو گا؟" شہباز نے میجر کاکرن کو گھورتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہمیں آپ کے ہاتھوں سے دوستی کی خوشبو کی امید ہو گی۔" میجر کاکرن نے جواب دیا۔ "وزیرستان سے لے کر سفید کوہ تک ہمارے فوجی دستوں اور قافلوں کے تم ضامن ہو گے۔ ضرورت پڑنے پر تم ہماری مدد کو آؤ گے اور جب تمہیں ہماری امداد کی ضرورت ہو گی تو ہم ہمیشہ تمہارے ساتھ نظر آئیں گے۔"

"میں اس سلسلے میں اپنے بزرگوں سے مشورہ کروں گا اور ان کی اجازت لوں گا مگر میجر صاحب ایک بات یاد رہے!" شہباز خان نے کہا۔

"کہو اے سرباز!" میجر کاکرن اسے خاموش دیکھ کر بولا۔ "جو بھی دل میں ہے بے جھجک کہہ دو!"

"ہمارے قبیلوں میں جیسی بھی ہوا بہتی ہے' ہم اس کی خوشبو ہی سے مست ہیں۔" شہباز خان بول اٹھا۔ "آپ ترقی پسند لوگ ہیں۔ اگر ہمیں آپ کی ترقی پسند آئے گی تو ہم خود آپ سے اس کا جادو سیکھنے کے لئے آگے آئیں گے۔ ہم پسماندہ ہیں مگر ہمیں اسی میں سکون محسوس ہوتا ہے۔ آپ ہمیں ترقی کی منزلیں دکھانے کے بہانے ہمارے علاقوں میں کبھی گھسنے کی کوشش نہیں کریں گے! تاریخ نے ہمیں خبردار کیا ہے کہ آپ لوگ مہمانوں کی اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو میزبان کے گھر میں آکر واپس نہیں جاتے۔"

میجر کاکرن اس کھلی چوٹ پر ہنسا' پھر بولا۔ "شہباز خان! ہم جب بھی مہمان بن کر آئیں گے تو آپ کی سرحد ہی پر دسترخوان بچھا کر آپ کی میزبانی قبول کریں گے اور پھر وہیں سے لوٹ جائیں گے۔ آپ کے گھر کی تو کیا' ہم آپ کی سرحد کی دہلیز تک نہیں

پھلانگیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ رہا۔ خاصے داری ہم آپ کو عطا کریں گے' اس کے عوض میں آپ کی وفاداری کی امید بھی کریں گے۔"

شہباز خان نے میجر کاکرن سے ہاتھ ملا کر کہا۔ "انشاء اللہ ہم دونوں عید کے بعد والی جمعرات کو یہیں ملیں گے۔ میں اپنے بزرگوں سے ان کا فیصلہ اور شرائط جان کر ہی آپ کی پیش کش کا جواب دوں گا۔"

اس کے بعد دونوں لشکر مڑ کر چل دیئے۔

☆=====☆=====☆

نور خان کی کلائی پر گل سمن پٹی باندھ رہی تھی کہ سردار ہلال خان کھنکھارا اور کہا۔ "بیٹی! میں سردار طرے خان کے یہاں جا رہا ہوں' شام تک لوٹ آؤں گا۔" اس نے وہاں نور خان کی موجودگی کو قطعی نظرانداز کر دیا تھا۔

ہلال خان اپنے دل پر پتھر رکھ کر نور خان کو اپنی حویلی میں تو لے آیا تھا مگر وہ بات صرف گل سمن ہی سے کرتا تھا۔ نور خان کے ضمیر نے اب تک کئی ہچکولے کھائے تھے۔ گل سمن اس کی شریکِ حیات ہونے کے علاوہ ایک بے باک دوست بھی تھی۔ سردار ہلال خان نے آٹھ دس سردار اکٹھے کر کے اپنی حویلی کے آنگن میں گل سمن اور نور خان کا نکاح پڑھوا دیا تھا۔ نور خان اپنے باپ سے نگاہ نہیں ملا پاتا تھا۔ نکاح کے بعد ایک اور عجیب واقعہ رونما ہوا تھا۔

سردار ہلال خان نے گل سمن سے کہا تھا۔ "بیٹی! اپنے قبیلے کی تلوار میں تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ میدان میں یہ تلوار میرے بیٹے کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تھی۔ مجھے ہار جیت کا غم نہیں تھا مگر اس بات کا رنج میرے دل پر چرکا لگا گیا کہ میرے خون نے بہادر دشمن کی پشت کا نشانہ باندھا تھا۔ کاش وہ دشمن کے سینے کا نشانہ لینے کا حوصلہ رکھتا!"

گل سمن نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تلوار سنبھال لی۔ نور خان یہ دیکھ کر تڑپ کر رہ گیا۔ رفتہ رفتہ اس کے دل سے سیاہی کے داغ مٹنے لگے۔ وہ گھنٹوں سوچتا اور پھر گل سمن اس کے ٹوٹے ہوئے دل کے ٹکڑے بار بار جوڑنے کی کوشش کرتی رہی۔ اس کی اداس مسکراہٹوں نے نور خان کے دل پر سچائی کا اثر چھوڑنا شروع کر دیا۔ نور خان کو اب احساس ہونے لگا تھا کہ اس کے اندر دھیرے دھیرے ایک انجانی سی تبدیلی رونما ہو رہی

ہے۔ نور خان کے اندر خوابیدہ خیر اس کے شر پر غالب آتا جا رہا تھا۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اپنے دل کو سکون دینے کی خاطر اس نے خیالوں ہی خیالوں میں کبھی مہ جبیں اور کبھی شہباز خان سے معافی مانگنا شروع کر دیا۔

ایک روز بہت افسردہ خاطر ہو کر اس نے گل سمن سے کہا۔ "کیا مجھے مہ جبیں معاف کر دے گی؟ کیا میں شہباز خان کا اعتماد حاصل کر سکتا ہوں؟"

گل سمن کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ سمجھ گئی کہ نور خان کے دل کی سیاہی چھٹنے لگی ہے۔ وہ ہمیشہ نور خان کو یہی ترغیب دیتی رہتی تھی کہ وہ اپنی خطا کو قبول کر لے۔ آخر کار اس کی محنت اور مسلسل کوشش بار آور ثابت ہوئی تھی۔

"میں بابا کی نظروں میں بھی گر چکا ہوں۔" نور خان پھر اداس آواز میں بولا۔ "مجھے درگزر کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔"

گل سمن نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ "جس دن تم تکبر کا جھوٹا لبادہ اتار پھینکو گے اور تمہارے اندر صحیح معنوں میں نیکی جاگ اٹھے گی' اس دن سب لوگ تمہیں معاف کر دینے کے علاوہ اپنے گلے سے بھی لگا لیں گے۔"

آج جب ہلال خان صرف گل سمن سے بات کر کے رخصت ہو رہا تھا تو اس نے ایک اچٹتی سی نظر نور خان پر بھی ڈالی تھی۔ یہ ایک نظر جیسے نور خان کے دل میں اتر گئی تھی۔ اس ایک نظر میں جانے کیا کیا تھا' گلہ بھی' دکھ بھی' اور پچھتاوا بھی!

ہلال خان' سردار طرے خان کے یہاں گیا تھا جو شہباز خان کا باپ تھا۔

سردار ہلال خان اپنے کچھ آدمیوں کو ساتھ لے کر سردار طرے خان کے پاس پہنچا۔ طرے خان نے بانہیں پھیلا کر اس کا استقبال کیا۔ کچھ دیر بیٹھ کر ہلال خان نے بات شروع کی۔ "طرے خان! تم ایک شیر کے مانند ہو مگر تمہارا بیٹا شہباز خان شیر ببر ہے۔ اُرک زئی قبیلے کی وہ روح ہے۔ میں نے تمہارے ببر شیر کے لئے ایک شیرنی تجویز کی ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ چل کر اس کے باپ سے اس کا ہاتھ شہباز خان کے لئے مانگو۔"

طرے خان چونک کر بولا۔ "ہلال خان! میرے بیٹے پر تمہارا بھی تو حق ہے۔ بولو' کس کے گھر کا چاند لا کر تم میرے آنگن میں چاندنی بکھیرنا چاہتے ہو؟"

"گلاب خان کی بیٹی مہ جبیں جب تمہارے یہاں آئے گی تو اُرک زئی قبیلے کی قسمت جاگ اٹھے گی۔" ہلال خان نے جواب دیا۔ "میں نے اس سلسلے میں تم سے پوچھے بغیر ہی بات چھیڑی تھی' یہی سوچ کر کہ تمہارے بیٹے پر میرا بھی حق ہے! اس نے جواب دیا کہ جس روز طرے خان اس مقصد سے میرے در پر آئے گا' میں خود کو خوش قسمت سمجھوں گا۔"

طرے خان نے شہباز خان اور مہ جبیں کے عشق کے قصے تو سن ہی رکھے تھے' اس نے کہا۔ "ہلال خان! آنے والی عید پر شہباز کو ساتھ لے کر میں گلاب خان کے یہاں چلوں گا۔"

ہلال خان کے چہرے پر بہار سی آ گئی۔ اس نے اپنے گھوڑے کی پشت سے دو تھیلیاں اتاریں۔ ان میں دو ہزار روپے تھے جو چلتے وقت گل سمن نے ہلال خان کو دیئے تھے۔

"لو طرے خان!" وہ بولا۔ "تمہارے دو ہزار میں واپس کر رہا ہوں۔ یہ دو ہزار روپے میرے بیٹے نور خان کے لئے مجھ سے ایک خوب صورت جھوٹ بول کر شہباز خان دے گیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ روپے تم نے اسے پاس سے دیئے تھے۔ طرے خان! تمہاری دوستی پر مجھے ہمیشہ ناز رہے گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے طرے خان کو گلے لگا لیا۔ "عید کے دن تیار رہنا دوست!" اس نے تاکید کی۔

چند ہی روز کے بعد عید تھی۔ عید کے روز حسب وعدہ ہلال خان پہنچ گیا اور پھر طرے خان اور شہباز خان کے علاوہ چند ساتھیوں کو لے کر یوسف زئی قبیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

گلاب خان نے بڑا انتظام کر رکھا تھا۔ چاندی کے کٹورے خشک میووں سے بھرے ہوئے تھے۔ جب مہمان آ گئے اور دستر خوان بچھایا گیا تو یوں لگا جیسے پُرسکون جھیل پر چاندنی نے چاندی کا خول چڑھا دیا ہو۔ طرے خان اور گلاب خان جب ایک دوسرے سے ملے تو ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"طرے خان! میری اس خطا کو معاف کر دینا۔" گلاب خان نے برسوں پہلے جنم لینے والی دشمنی کی معافی چاہی جب اس نے اُرک زئی قبیلے کی طرف تھوکا تھا اور "ہیجڑے

کہیں کے!" کہا تھا۔ یہ اس وقت کی بات تھی جب ارک زئی قبیلے نے انگریزوں سے لڑتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ دو ہزار ارک زئی' تیس ہزار انگریز فوج کا مقابلہ نہیں کر سکے تھے۔ یوسف زئی یوں کہ بلندی پر تھے اس لیے وہ انگریزوں سے لڑتے رہے تھے۔ گلاب خان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا۔ "وہ تو جذبات کا ایک طوفان تھا جس میں ہم سبھی بہہ گئے تھے۔ اب ہمارے بیٹے شہباز خان سرباز نے پٹھان قوم کا سر اونچا کر دیا ہے۔ ایسا مہمان پا کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا ہے۔"

طرے خان ہنس کر بولا۔ "گلاب خان! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تمہارے آنگن کے چاند کو جلد ہی چرا کر لے جاؤں گا۔"

"یہ چوری تمہیں مبارک ہو طرے خان! مہ جبیں پر شہباز خان کا حق تو اسی دن ہو گیا تھا جب اس نے گلفام کی جان بچائی تھی۔ جب شیروں کے بچے کھیلتے ہیں تو کھیل کھیل میں ان کا خون بہنے ہی لگتا ہے۔"

"اگلے پیر کے دن نکاح پڑھایا جائے گا۔ گلاب خان! سب انتظام رکھنا!" ہلال خان نے کہا۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جو دو محبت بھرے دلوں کو ہمیشہ کے لئے ملانے والا تھا۔ شہباز خان دولہا بن کر گلاب خان کی حویلی میں پہنچا اور مہ جبیں سے اس کا نکاح پڑھوا دیا گیا۔ سلامی کے بعد شہباز نے ایک شخص کو سر بہ گریباں ایک کونے میں بیٹھے دیکھا۔ اسی کے پاس بڑی بڑی پلکیں اٹھائے بڑی امید سے کوئی شہباز کو تک رہا تھا۔ یہ گل سمن تھی۔

شہباز خان' گل سمن کے پاس پہنچا۔ گل سمن کے مرجھائے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ گل سمن نے چاندی کا شمع دان پیش کیا۔ شمع دان پر فیروزے جڑے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ "شہباز خان بھائی! جب بھی شمع فروزاں ہو گی' اس کی تھرتھراتی ہوئی لو میں تمہیں اس بدنصیب بہن کی خاموش صدا سنائی دے گی۔"

"نہیں گل سمن بہن! اس کی لو میں ہمیشہ اندھیرے پر غالب آنے والی مقدس روشنی دکھائی دے گی جو مجھے زندگی کی صحیح راہ دکھایا کرے گی۔"

قریب بیٹھے ہوئے نور خان کی گردن جھکی کی جھکی رہی۔ شہباز خان نے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ تبھی نور خان کی آنکھوں سے دو گرم گرم آنسو اس کے ہاتھوں پر ٹپک

پڑے۔ یہ بڑا عجیب اور رقت انگیز منظر تھا۔

"نورا بھائی! یقین مانو' جتنے بھی رشتے داروں نے مجھے سلامی کے تحفے دیئے ہیں' وہ سب تمہارے ان گرم گرم موتیوں کے سامنے ہیچ ہیں۔ یہ موتی ضمیر کی سیپی میں پل کر قدر کا نایاب تحفہ بن گئے ہیں۔ میں انہیں قبول کر کے تمہیں اپنا حقیقی بھائی تصور کرتا ہوں"

نور خان کی آنکھوں کے موتی بہہ نکلے۔ وہ شہباز کے گلے سے لگ کر زار و قطار رو دیا' پھر بولا۔ "میں اپنا تعارف کرانا بھول گیا شہباز بھائی' میں مہ جبیں بہن کا بدگمان بھائی ہوں۔"

"تم ہم دونوں ہی کے بھائی ہو' نورا بھائی!" یہ کہتے ہوئے شہباز خان کی آواز بھی بھرا گئی۔

شہباز خان اور نور خان کے ملاپ سے ماحول مزید خوشگوار ہو گیا۔

جب مہ جبیں ڈولی میں بیٹھ کر اپنے قبیلے سے رخصت ہونے لگی تو نور خان نے بھی گلفام کے ساتھ ڈولی اٹھانے کو کندھا دیا۔ یہ دیکھ کر گل سمن کے چہرے پر روشنی سی آ گئی۔ دور کھڑے ہوئے ہلال خان کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ جب اس نے لوگوں کی نظر بچا کر آستین سے اپنے آنسو پونچھے تو گلاب خان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہلال خان! خوشی کی اس گھڑی میں یہ آنسو کیسے! دیکھ نہیں رہے ہو' ایک مہمند زادہ ایک یوسف زئی کو شرافت کی مات دے رہا ہے! میں اس شکست کو قبول کرتا ہوں۔ آج سے میرے لئے نورا اور گلفام میں کوئی فرق نہیں رہا۔"

"آمین!" طرے خان کی آواز ابھری جو قریب ہی کھڑا تھا۔

☆=====☆=====☆

شہباز خان نے میجر کاکرن کی پیش کش اور اس کے ساتھ ہونے والی ساری گفتگو سے اپنے باپ طرے خان کو آگاہ کر دیا۔

"یہ مسئلہ پوری قوم کا ہے بیٹے!" طرے خان نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ سبھی قبیلوں میں یہ خبر بھجوا دی جائے۔ ایک جرگہ بلایا جائے جس میں یہ معاملہ طے ہو۔ یہ جرگہ لوئی ڈکا کے پاس والے میدان میں ٹھیک رہے گا کیوں کہ یہ جگہ سبھی قبیلوں کے بیچ

میں پڑتی ہے۔"

پھر شہباز سرباز باقی تمام قبیلوں کے سرداروں سے جا کر ملا اور جرگہ بنانے کا فیصلہ ہو گیا۔

جس روز جرگہ منعقد ہوا' لوئی ڈکا کے میدان میں عجیب عالم تھا۔ چاروں طرف قبیلوں کے خیمے نصب تھے اور ہر طرف پٹھانوں کا جم غفیر تھا۔ شام کو بڑا کھانا ہوا۔ چاروں طرف سالم بکرے بھونے جا رہے تھے۔ میوے' زعفران اور اصلی گھی کی لپٹوں سے سارا میدان مہک رہا تھا۔

کھانے کے بعد ایک بڑے سے دائرے میں بزرگ سردار بڑی بڑی پگڑیاں سر پہ باندھے بیٹھ گئے۔ حقے گھومنے لگے۔ خوشبودار تمباکو کا دھواں سرمئی بدلیوں کی طرح منڈلانے لگا۔ مسئلہ جرگے کے سامنے پیش کیا گیا۔ مسئلہ یہ تھا کہ انگریزوں کی خاصے داری قبول کی جائے یا نہیں؟

بڑی دیر تک بحث مباحثہ چلتا رہا۔ سرداروں کے بڑے بیٹے بھی ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ شہباز خان نے کھڑے ہو کر میجر کاکرن کی پیش کش سے ایک بار پھر سب کو آگاہ کر دیا اور چند وضاحتیں بھی کیں۔

کافی دیر کے بعد بھتانی کے سردار کہن دل خان نے بات شروع کی۔ وہ عمر میں تمام سرداروں سے بڑا تھا۔ اس نے کہا۔ "بردار سردارو! پچھلے جہاد کا غبار اب تک بڑی مشکل سے چھٹا ہے۔ میرا تجربہ ہے' پٹھانوں میں بہادری کی کمی نہیں ہے۔ اگر کوئی کمی ہے تو وہ میدان جنگ کے داؤ پیچ کی ہے۔ ہار جیت کی لڑائی شاید ہم جم کر نہیں لڑ پائے مگر موت سے آنکھ مچولی ہم بہ خوبی کھیلنا جانتے ہیں۔ مارو' لوٹو' بھاگو کا علم ہمیں آتا ہے۔ ہمارے دشمن اس بات سے ڈرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم خاصے داری قبول کریں یا نہیں؟ میرا خیال ہے کہ خاصے داری کی رقم ہمارے تمغوں کے عوض محض ایک رشوت ہے۔ کیا ہم اس طرح اپنے ملک کی آزادی کو رہن رکھ دیں.........؟ نہیں!" اس پہ شہباز خان کچھ کہنے کے لئے کھڑا ہوا تو سردار کہن دل خان نے مسکرا کر پوچھا۔ "اے میرے بچے' میرے سرباز کیا تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں اے عظیم سردار! میں آپ سے کچھ مزید کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ امید

ہے کہ مجھے آپ یہ موقع عنایت کریں گے۔" شہباز خان ادب سے بولا۔

"ہر چند کہ تمہیں جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے ہو' پھر بھی تمہیں اس لئے خصوصی اجازت دی جاتی ہے کہ انگریز افسر سے تمہاری بات ہوئی ہے۔" کہن دل خان نے کہا۔

بولنے کی اجازت ملتے ہی شہباز خان کہنے لگا۔ "اگر خاصے داری کا مقصد ہماری آزادی اور بے باکی کو خریدنا ہے تو ہمیں اس کو ٹھکرا دینا چاہئے۔ اگر انگریز ہمارے حملوں سے عاجز آ کر ہماری دوستی خریدنا چاہتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ انہوں نے یہ بات قبول کی ہے کہ وہ کسی بھی بہانے ہماری سرحد کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ جس روز وہ اپنا عہد توڑنے کی کوشش کریں گے' ہم طوفان بن کر ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ آپ بزرگ ہمیں روشنی دکھائیں کہ ہم مستقل دوستی کے قول کو بیچنے کی بات کریں یا نہیں؟ خاصے داری کی رقم واجب طے کی جائے گی جو قبیلوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام میں لائی جائے گی۔ اس رقم کو ہم زراعت کی ترقی کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ ہم بڑھیا ہتھیار خرید سکتے ہیں' اپنی نئی نسل کے لئے مدرسے کھول سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی ہم مستعد و چوکنا رہ سکتے ہیں کہ کہیں خاصے داری ہمیں کاہل اور آرام پسند بنانے کے لئے انگریز کی چال ثابت نہ ہو۔"

جرگے میں موجود سرداروں کے سر ہلنے لگے۔ سبھی آپس میں تبادلہ خیال کرنے لگے۔

سردار کہن دل خان نے کہا۔ "ہمیں سردار طرے خان کے تیز و طرار بیٹے کا مشورہ پسند آیا۔ اب ہمارے خون میں وہ گرمی کہاں جو نوجوانوں کے خون میں ہے۔ ہاں' اگر کبھی ہمارے نوجوانوں کو ہماری ضرورت پڑے گی تو ہم بھی خون بہانے سے گریز نہیں کریں گے۔ یقین کرو بچو' ہمارے خون کا رنگ اتنا ہی سرخ ہو گا جتنا کبھی جوانی میں ہوتا تھا۔" پھر وہ ہاتھ اٹھا کر مزید بولا۔ "سردارو بولو! آپ کا کیا فیصلہ ہے؟ عزت و آبرو کو برقرار رکھتے ہوئے خاصے داری کی مقررہ رقم وصول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جب وطن کو ہماری ضرورت پڑے گی تو خاصے داری کا جامہ اتار کر ہم انگریزوں کے ہاتھوں میں تھما دیں گے مگر جب تک وہ ہماری آزادی میں مداخلت نہیں کرتے ہم ان کے ساتھ دغا نہیں کریں گے۔"

تمام سرداروں نے بہ یک آواز کہا۔ "ہمیں منظور ہے۔"

تبھی ہلال خان اٹھ کر بولا۔ "سردار کہن دل خان! میں اسی کے ساتھ یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اپنے پُرامید اور ہونہار بچوں کو ہم اپنی تلوار سونپ کر کچھ دن اللہ کی یاد میں گزار لیں۔ میری رائے ہے کہ اُرک زئی قبیلے کا سرباز نئے خون کا سربراہ ہونے کے لائق ہے۔ اس کی بہادری کو انگریز بھی تسلیم کرتے ہیں۔"

پھر جرگے میں مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی گونجنے لگی۔ صلاح مشورے کے بعد سردار کہن دل خان کی آواز بلند ہوئی۔ "سب سرداروں کی رضامندی ہے کہ نوجوانوں کا سردار طرے خان کا بیٹا شہباز خان سرباز منتخب کیا جاتا ہے۔"

ہر طرف سے مبارکباد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

شہباز خان نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "بزرگوار نگہبانو! سنئے' جو کچھ جنگی ہتھکنڈے میں آپ صاحبان کے تجربے سن سن کر جان پایا ہوں انہیں میں سبھی بھائیوں کو بتاؤں گا۔ ہر ایک قبیلے کے سردار کا بیٹا' سردار مانا جائے گا' میری مراد ہر قبیلے کے جوانوں کے سردار سے ہے! اگر کبھی ہم سب کو اکٹھا ہو کر لڑنا پڑا تو ہم آپس میں صلاح مشورہ کر کے ہی جنگی حکمت عملی تیار کریں گے۔ میں اپنے بھائیوں کا سردار بننے کی بجائے ان کا ایک صلاح کار دوست ہی رہوں گا۔" یہ کہہ کر شہباز خان نے اپنے انتخاب پر تمام معزز سرداروں کا شکریہ ادا کیا۔

لوگوں نے عہد کیا کہ پٹھان اب آپس کی رنجشیں نمٹانے میں وقت ضائع نہیں کریں گے۔

جرگے کی روایت کے مطابق رات کو سب پٹھان' چنگ اور دف لے کر محبت و اخوت کے گیت گانے لگے۔

شہباز خان نے آخر میں سرداروں سے درخواست کی کہ جمعرات کو سبھی قبیلوں کے چھوٹے سردار' یعنی سرداروں کے نوجوان بیٹے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ درے کے نزدیک ملیں تاکہ سب کی موجودگی میں انگریزوں سے خاصے داری کی بات چیت ہو سکے۔

☆=====☆======☆

جب سردار ہلال خان' نور خان کو ساتھ لے کر جرگے میں شرکت کرنے چلا گیا تھا تو

اسی شام ایک گھڑ سوار قبیلے میں گھسا تھا۔ اس نے ہلال خان کی حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ معلوم ہوا کہ وہ کوئی عورت تھی اور گل سمن سے ملنا چاہتی تھی۔ گل سمن کو بتایا گیا تو وہ خود حویلی کے دروازے پر آ گئی۔

"سلام بانو!" وہ عورت بولی۔ "مجھے گل سمن سے ملنا ہے۔"

"کہئے' میں ہی گل سمن ہوں۔" گل سمن نے بتایا۔

"مجھے ساحرہ کہتے ہیں۔" عورت نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں نصیر خان کی بدنصیب بیوی ہوں۔ وہ نصیر خان جو آج کل آپ کی قید میں ہے۔ میں ایک ہزار روپے پھیروتی کے لائی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے شوہر کو چھوڑ......"

گل سمن نے اس کی بات کاٹ دی اور اسے غور سے دیکھتی ہوئی بول اٹھی۔ "غالباً آپ کو معلوم ہو گا کہ میرے خاوند نور خان اور سسر گھر سے باہر گئے ہیں۔ نصیر خان کو میرے سسر ہی اپنے پاس سے ایک ہزار روپے دے کر لائے تھے۔"

"مجھے معلوم ہے بانو!" ساحرہ بولی۔ "اسی وجہ سے میں یہاں آئی ہوں کہ اپنے خاوند کو آپ سے رحم کی بھیک مانگ کر چھڑا لاؤں۔"

"مگر اس کا فیصلہ تو میرے سسر ہی کر سکتے ہیں۔" گل سمن نے کہا۔

"میں یہ سن کر آئی ہوں کہ گل سمن کا فیصلہ سردار ہلال خان ہی کا فیصلہ مانا جاتا ہے۔ میں آپ سے اپنے گمراہ خاوند کے لئے رحم کی بھیک مانگتی ہوں۔ میں بھی کوشش کروں گی بانو...... آپ کی طرح کہ اپنے خاوند کو نیک چلن بنا سکوں۔ آپ محض ایک عورت ہی نہیں بانو' بلکہ آپ بہت سی کمزور عورتوں کے لئے چراغ منزل کے مانند بھی ہیں۔"

گل سمن لاجواب ہو گئی۔ اس نے ایک ہزار روپے کی تھیلی لے لی۔ پھر وہ گھر کے اندر جا کر احمد اور شیر خان کو لے کر لوٹ آئی۔

"جاؤ نصیر خان کو تہہ خانے سے نکال کر یہاں لے آؤ!" گل سمن نے دونوں ملازمین کو حکم دیا۔

تھوڑی دیر میں مرجھائے ہوئے چہرے والا نصیر خان وہاں موجود تھا۔ اپنی بیوی کو وہاں دیکھ کر وہ بہت شرمندہ ہوا۔

"میں نے تمہاری بیوی ساحرہ بانو سے پھیروتی قبول کر لی ہے نصیر خان!" گل سمن نے کہا۔ "اللہ کرے ان کی مراد پوری ہو اور یہ تمہیں راہ راست پر لانے میں کامیاب ہو جائیں۔ میں اپنی ذمے داری پر اور اپنے سسر کی اجازت کے بغیر تمہیں رہا کر رہی ہوں۔"

نصیر خان تلملا اٹھا اور بولا۔ "جانے سے پہلے میں آپ کی دہلیز پر اپنی بیوی ساحرہ کی عزت و آبرو کو گواہ کر کے اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے کسی پٹھان کی مخبری نہیں کروں گا میں اب پھلوں کی دکان کروں گا۔ جس کے بارے میں نور خان سے میں نے جھوٹ بلوایا تھا۔ سردار ہلال خان جب بھی پشاور آئیں گے مجھے چھاؤنی کی منڈی میں انشاء اللہ دکان پر پائیں گے۔ آج سے مخبر نصیر خان مر گیا۔ اب آپ کے در سے ایک نیا نصیر خان جا رہا ہے۔"

گل سمن نے آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہوئے "آمین" کہا۔

ساحرہ اپنے شوہر نصیر خان کو گھوڑے پر بٹھا کر رخصت ہو گئی۔

سردار ہلال خان جرگے سے لوٹ کر آیا تو گل سمن نے ایک ہزار روپے کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دی اور بولی۔ "ابا جان! ایک ہزار کی پھیروتی لے کر نصیر خان کی معصوم بیوی آئی تھی۔ میں نے پھیروتی لے کر نصیر خان کو چھوڑ دیا ہے۔ نصیر خان قسم کھا کر گیا ہے کہ آج سے وہ مخبری نہیں کرے گا اور پھل فروش بن جائے گا۔ میں نے آپ سے اجازت لیے بغیر نصیر خان کو رہا کر دیا ہے۔"

ہلال خان نے گل سمن کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تیرا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا بیٹی! میرے بھٹکے ہوئے بیٹے کو تو نے انسان بنا دیا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مخبر بھی اب انسان بن کر یہاں سے گیا ہو گا۔" پھر روپوں کی تھیلی اٹھا کر ہلال خان نے گل سمن کے ہاتھوں میں دے دی۔ "اسے اپنے ہی پاس رکھ لے بیٹی! تجھ پر خدا کی رحمت کا سایہ ہے جو ایک بد بھی تیری نیک نیتی کی پرچھائیں پڑتے ہی نیک بن جاتا ہے۔"

☆=====☆======☆

جمعرات سے دو دن پہلے عیدو کو گل سمن نے شہباز خان کے پاس بھیجا۔ عیدو نے شہباز خان کو بتایا کہ مہمندوں کے قبیلے کے ساتھ چھوٹا سردار نور خان تلوار کے بغیر ہی آئے گا۔

"وہ کیوں؟" شہباز خان نے چونک کر پوچھا۔

"گل سمن بھابی نے کہلوایا ہے کہ جو تلوار نور خان کے ہاتھ سے آپ نے گرائی تھی، اسے سردار ہلال خان نے گل سمن کو سونپ دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ گل سمن ہی قبیلے کی حفاظت کی ذمے داری قبول کرے۔" عیدو نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"ہوں!" شہباز نے یہ سن کر ہنکارا بھرا، پھر بولا۔ "گل سمن بہن سے کہنا کہ میں کل آؤں گا۔"

دوسرے ہی دن شہباز خان، سردار ہلال خان سے ملا۔

"کیسے آنا ہوا بیٹے؟" ہلال خان نے دریافت کیا۔ "خیریت تو ہے؟"

"جی ہاں، خیریت ہے۔ میں دراصل آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔"

"کیا مانگنے آئے ہو بیٹے؟" ہلال خان حیرت سے بولا۔

شہباز خان نے سر اٹھا کر جواب دیا۔ "گل سمن بہن کو آپ نے جو تلوار سونپی ہے، اسے لے کر میں نور خان کی کمر سے باندھنا چاہتا ہوں۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ نور خان اس قابل ہو گیا ہے؟"

"جی ہاں، نورا بھائی اب ایک شیر دل اور حق پسند سردار ہے۔"

یہ سن کر ہلال خان اندر گیا اور گل سمن سے تلوار لے آیا۔ پھر نور خان کو بلوایا گیا۔ شہباز خان نے اپنے ہاتھ سے اس کی کمر پر تلوار باندھ دی۔ پھر اس نے کہا۔ "نورا بھائی! اس تلوار پر اب آپ کا حق ہے۔ اب یہ تلوار صرف ظالم کے اوپر مظلوم کی حمایت ہی میں اٹھا کرے گی۔ اب میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

نور خان تلوار پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں شہباز بھائی کہ میں تمہاری ضمانت کی آبرو رکھوں گا۔"

"اے اللہ! دونوں قبیلوں کے قول و قرار کی عزت رکھنا۔" ہلال خان نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ پھر اس نے شہباز خان اور نور خان کو اپنے لمبے چوڑے بازوؤں میں بھر لیا۔

"تم دونوں میری دونوں آنکھیں ہو۔"

چلتے وقت شہباز خان نے نور خان سے کہا۔ "کل ٹھیک وقت پر اپنے بہادروں کے ساتھ پہنچ جانا سردار نور خان!"

☆=====☆======☆

صبح کی ہوا میں ایک عجیب سی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ مہ جبیں انگڑائی لے کر اٹھی تو ساڑھے چار بجنے والے تھے۔ اس نے شہباز خان کو جھنجھوڑ کر جگایا۔ "آج تمہیں خانہ داری قبول کرنے جانا ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

شہباز خان نے آنکھیں کھول کر اپنی حسین بیوی کی طرف دیکھا۔ گوری چٹی مہ جبیں سنگ مرمر کے مجسمے کی طرح لگ رہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے جسم سے چنبیلی کی کلیوں کی خوشبو آ رہی تھی جو کسی مجسمے سے نہیں آتی۔

مہ جبیں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم نے نور خان کو دل سے معاف کر دیا ہے یا اوپر ہی اوپر سے زبانی طور پر؟"

شہباز خان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "نہیں مہ جبیں' میں نے اسے دل سے معاف کر دیا ہے۔ اس کے والد ہلال خان ایک کھرے اور سچے پٹھان ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی جان لینے میں قطعی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی۔ اگر میں درمیان میں نہ آ جاتا تو وہ اسے یقیناً مار ڈالتے۔"

"میں گل سمن بہن کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتی۔" مہ جبیں نے کہا۔ "نور خان کو روشنی دکھانے میں گل سمن ہی کا ہاتھ ہے۔"

"معاف کر دینا بھی کسی عبادت سے کم نہیں مہ جبیں! معافی میں خدا کی آواز شامل ہوتی ہے۔"

"اب اٹھو' تمہیں تیار بھی ہونا ہے۔"

چلتے وقت مہ جبیں نے اپنے ہاتھوں سے شہباز خان کے سر پر پگڑی باندھی۔

شہباز خان سرباز پٹھانوں کا ایک لشکر لے کر درے پر پہنچا۔ میجر کاکرن بھی اپنے اسکواڈرن کے ساتھ وہاں پہنچ چکا تھا۔ دونوں نے ہاتھ ملا کر دستاویز پر دستخط کیے۔

"میرے دستخطوں کے علاوہ ان سرداروں کے دستخط بھی اس پر ہوں گے میجر صاحب!" شہباز خان بولا۔ "ہم میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہے۔ ہاں عمر میں تھوڑا بہت میں سب سے بڑا ہوں تو کہہ نہیں سکتا۔"

"شہباز خان سرباز! تم میدان جنگ میں دشمن سے جیتنا تو جانتے ہی ہو مگر تمہیں

دوستوں کا دل جیتنا بھی آتا ہے۔" میجر کاکرن نے مسکرا کر کہا۔ "میرا پختہ یقین ہے کہ اس بار تم لوگوں میں جو اتحاد ہوا ہے' وہ کبھی نہیں ٹوٹ پائے گا۔"

جاتے وقت میجر کاکرن نے پچاس ہزار روپے پیش کیے۔ شہباز خان نے وہ سب روپے قبیلوں کے سرداروں میں برابر بانٹ دیئے۔

میجر کاکرن نے سب قبیلوں کے سرداروں کو ایک ایک نئی "لی انفیلڈر" رائفل اور دو دو سو گولیاں بہ طور تحفہ دیں۔ شہباز خان سرباز کو رائفل کے علاوہ پینتالیس بور کا ایک نیا پستول بھی پیش کیا گیا جس پر سفید پینٹ کیا ہوا تھا۔

"شہباز خان سرباز!" میجر کاکرن نے بتایا۔ "یہ ریوالور چیف کمشنر نے بہ طور خاص تمہارے لئے بھیجا ہے۔"

"شکریہ!" شہباز خان مسکرایا۔

"چیف کمشنر نے یہ پیغام دیا ہے کہ شہباز خان کے سر پر جو قیمت میلے میں رکھی گئی تھی' وہ ختم کی جاتی ہے اور سرکاری طور پر شہباز خان کو سرباز کا خطاب دیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ کورٹ گارڈ کے ہتھیاروں کو ہاتھ نہ لگا کر شہباز خان سرباز نے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ ایسے بہادر کا خالی ہاتھ جانا زیب نہیں دیتا۔" میجر کاکرن نے مزید کہا۔ "چیف کمشنر نے اسی لیے اس دن کی بہادری اور دوستی کے اعتراف میں یہ تحفہ خاص طور پر بھجوایا ہے۔"

شہباز خان نے اس ریوالور کو سینے سے لگا لیا اور بولا۔ "انہیں میرا سلام کہئے گا میجر صاحب! اور بتایئے گا کہ اب یہ ہتھیار کبھی آپ کے خلاف نہیں اٹھیں گے۔ ہاں' اگر ہماری آزادی میں کسی بہانے مداخلت کی گئی تو پہلے ہم آپ کے ہتھیار واپس کر دیں گے اور پھر اپنے ہتھیار آپ کے خلاف اٹھائیں گے۔"

میجر کاکرن نے سر ہلا کر کہا۔ "یقین رکھو شہباز خان سرباز' ہم تمہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔"

سرحد کے پٹھان خاصے داری کی ذمے داری قبول کر کے لوٹ گئے۔ ان کا استقبال کرنے کے لئے بھی بزرگ سردار اکٹھے ہو کر دریائے کابل کے موڑ پر موجود تھے۔ دور سے گھوڑوں کی قطار اور کندھوں پر لٹکی بندوقوں کی نالیں دیکھ کر سردار گلاب خان بولا۔

"ہمارے بیٹوں نے انگریزوں کو ایک شائستہ شکست دی ہے۔ جو کام ہم زندگی بھر نہ پائے وہ ہمارے بیٹوں نے کر دکھایا ہے۔"

سردار کہن دل خان نے کہا۔ "ہر ایک باپ اپنی زندگی میں ایک میٹھی شکست کھانے کو ترستا رہتا ہے' وہ ہے اپنے بیٹے سے شکست کھانا! جب اس کا بیٹا اس سے بہترین عمل کر دکھاتا ہے تو باپ کو شکست میں ایک غرور کا احساس ہوتا ہے' شکست میں بھی یہاں ایک فتح جھلکتی ہے۔"

"آپ نے درست کہا سردار!" سردار بلال خان بولا۔ "خدا کرے سفید کوہ کے اس پار شہباز خان سرباز جیسے بیٹے پیدا ہوتے رہیں۔"

☆======ختم شد======☆

محترم شمیم نوید کے قلم سے ایک سچا تاریخی واقعہ

- غیور پٹھانوں کی روایتی شجاعت اور غیرت کی آئینہ دار سچی داستان، اُس بہادر پٹھان نوجوان کی کہانی جو اپنا سر ہتھیلی پر لے کر انگریزوں پر کسی بھوکے عقاب کی طرح جھپٹ پڑا تھا۔ انگریز بھی اس کی دلیری دیکھ کر اش اش کر اُٹھے۔
- وہ آوارہ سورج کی طرح تھا۔ جب چاہتا سرحد کی دھندلی لکیروں کو پار کر کے نکلتا اور تباہی مچا کر ڈوب جاتا۔ اس کے ساتھی کرنوں کی مانند اس کے چاروں طرف چکا چوند کر دینے والی رفتار سے منڈلاتے رہتے تھے۔ انگریز اس آوارہ سورج کو پانے کے خواہش مند تھے اور اسے شہباز خان سرباز کا لقب دینے پر مجبور ہو گئے۔
- دُرگا سنگھ، ایک بہادر سکھ سردار جس کی بہادری کا اعتراف پٹھانوں نے بھی کیا۔
- آگ اور بارود کی برسات میں محبت کی کونپل کھلانے والی مہ جبین کی محبت کی کہانی۔
- انگریز عورتیں شہباز خان کی مردانگی اور وجاہت پر مرتی تھیں۔